جوش کہتا ہے کہ چل اور ہوش کہتا ہے سنبھل
کس کا کہنا مان لوں منزل ہے میرے سامنے

افشاں آفریدی

بات لمحہ بھر کی

جوش کہتا ہے کہ چل اور ہوش کہتا ہے سنبھل
کس کا کہنا مان لوں منزل ہے میرے سامنے

پتا نہیں کیوں آج ارحم شیرازی کو سامنے پا کر اس کے اندر پھر سے اکھاڑ پچھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ بہت احترام سے اس کی نظریں ارحم کے وجود کو حصار میں لیے ہوئے تھیں۔

وہ جانتی تھی کہ اس کا اس طرح سے بے خود ہو جانا کوئی قابل تحسین عمل ہرگز نہ تھا، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس کے ساتھ ثوبیہ بھی موجود تھی۔ جس نے اسے کہنی سے ٹہوکا دے کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا تھا۔

مگر اس وقت یوں ہو گیا تھا کہ اس کی نگاہیں اس کے قابو اور کنٹرول سے باہر ہو گئی تھیں، یہ نہیں کہ سامنے کھڑا وجود پوری دنیا کی وجاہت کا تنہا مالک تھا نہ ہی وہ اس کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی۔

محض ایک ہی ملاقات ہوئی تھی اس کی ارحم سے وہ بھی مہینہ بھر پہلے اور پھر اس کے بعد اس نے اسے کہاں کہاں نہیں کھوجا تھا۔ اور آج جب اچانک وہ اس کے سامنے آیا تو جیسے وہ اپنے بس میں نہ رہی تھی۔

''ہوش کی دوا کرو امامہ، دیکھو وہ بندہ بھی متوجہ ہو گیا ہے۔''

ٹہوکے والا آئیڈیا تیسری بار بھی فلاپ ہو گیا تو ثوبیہ کو زبان کا استعمال کرنا ہی پڑا۔ وہ تو شکر تھا کہ اسے ساتھ کھڑی مسز بیگ کا لحاظ تھا، ورنہ تو وہ بھری محفل میں ایک تھپڑ رسید کرنے سے بھی نہ چوکتی۔

''کیا واقعی......؟'' اس نے چونک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''جس طرح تم اسے دیکھ رہی ہو، اس سے تو ایسا ہونا ہی تھا۔'' ثوبیہ کے لہجے میں تیکھا پن تھا۔ امامہ ایک لمحے کو اسے بے تاثر نظروں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

اور اسی پل وہ امامہ کے مقابل چلا آیا تھا۔ سنجیدہ، بہت گہری آنکھوں والے اس شخص کی نگاہوں میں امامہ کے لیے شناسائی تھی۔

پتا نہیں یکدم اسے کیا ہوا، دل چاہا دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو جائے، کہیں بھاگ جائے وہاں سے، ارحم کا ہر اٹھتا قدم گویا اس کے دل پر پڑ رہا تھا اسے یکدم گھٹن کے شدید اور تکلیف دہ احساس نے آ لیا۔

''ثوبی پلیز، مجھے شدید پیاس لگ رہی ہے۔'' اس نے خود سے بوکھلا کر بے اختیار ثوبیہ کا بازو کچھ اس طرح جکڑا کہ وہ بھی سٹپٹا گئی، ان سے محض ڈھائی فٹ کے فاصلے پر وہ بھی کچھ ٹھٹھک کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''کولڈ ڈرنک لیں گی یا پانی سے کام چل سکتا ہے۔''

ثوبیہ سے پہلے وہ بول پڑا تھا۔ دوستانہ لہجہ اتنا پرتاثیر تھا کہ وہ دونوں لامحالہ متوجہ ہوگئیں، امامہ کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔

''نو تھینکس ...... ہم سیلف سروس میں یقین کرتے ہیں۔ آپ پلیز زحمت نہ کریں......''

ثوبیہ نے پہلے تعجب سے امامہ کو یکھا جو گھبراہٹ میں لب کچلے جارہی تھی۔ پھر قدرے روکھے پن سے بولی۔

''میں غیر سہی اجنبی نہیں ہوں مس۔''

اب کے اس نے شائستگی سے کہہ کر کولڈ ڈرنک کا گلاس امامہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ جسے کسی معمول کی طرح تھام کر اس نے بے ساختہ اس کی طرف نظر اٹھائی تھی۔ ثوبیہ نے گھور کر دیکھتے ہوئے خفگی کا اظہار کیا، ساتھ ہی شک بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہم اجنبیوں اور غیروں دونوں سے کترا کر گزرتے ہیں۔''

ثوبیہ کا ترش لہجہ آج کچھ زیادہ ہی عروج پر تھا، شاید امامہ کو مستقل دیکھے جانے کا غصہ وہ اس پر اتار گئی تھی۔

یہ امامہ کی دوست ثوبیہ ہے جو کردار، بات اور ضد کی پکی ہے۔ غصے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتی، یہ وہ لڑکی ہے جو سوچے سمجھے بغیر کسی کو دوست نہیں بناتی، تاہم جاننے اور پرکھے بنا اس نے صرف امامہ ہی کو دوستی کے جذبے سے متعارف کرایا تھا۔

''میں ایسے لوگوں کی دل سے قدر کرتا ہوں۔'' رسانیت سے کہہ کر وہ یکدم امامہ کی طرف مڑا تھا۔

''ہاؤ آر یو مس امامہ!'' اس دن کا زخم مندمل ہوا کہ نہیں۔''

نرمی اور حلاوت سے بولتا وہ اسے اپنی زندگی کی پہلی سچی اور اچھی حقیقت لگا۔ امامہ نے

پھیکے پن سے لب پھیلا لیے۔
''زخم تو مندمل ہو ہی جاتے ہیں۔ بس کچھ عرصہ لگتا ہے۔'' گلاس کو دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں جکڑ کر اس نے انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسالی تھیں۔
وہ جانتی تھی کہ اس وقت ثوبیہ کی حیرت اور غصے کی کوئی انتہا نہیں رہی ہوگی۔ اسے امامہ اور اپنے درمیان کوئی بھی راز قبول نہ تھا۔ پھر یہ بات تو اس نے اس سے پورے ایک ماہ چھپائی تھی حالانکہ پچھلے دنوں جب وہ بارہا ادھر ادھر نظریں بھٹکاتی تھی تو یہ ثوبیہ ہی تھی جو فکر مند ہوگئی تھی۔
''تمہارا کچھ کھو گیا ہے امامہ؟ کیا تلاشتی رہتی ہو؟''
''کچھ نہیں...... ایسے ہی وہم ہے تمہارا۔'' اسکے پاس اس کے ہر سوال کا ہر بار یہی جواب ہوتا۔ اور اس پل جو جواب اس نے ارحم کو دیا تھا، وہ اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔
''ویل سیڈ، ویسے مجھے ارحم شیرازی کہتے ہیں۔ اینڈ یور گڈ نیم؟'' بڑے شستہ انداز میں اب وہ ثوبیہ کی طرف متوجہ ہو کر استفسار کر رہا تھا۔
''مجھے ثوبیہ حسن کہتے ہیں بائی داوے آپ امامہ کو کیسے جانتے ہیں۔'' اس کے لہجے ہی میں نہیں آنکھوں میں بھی تلخی سرخ ڈوروں کی صورت تیر رہی تھی۔
''حادثے بن کے یہاں لوگ ملا کرتے ہیں، غالباً یہ شعر تو سنا ہوگا آپ نے......'' وہ سحر بیان تھا اور اس کا غضب کا لہجہ بہت سی بلا عنوان داستانیں سنا رہا تھا۔
ثوبیہ نے الجھی ہوئی نظروں سے امامہ کو دیکھا تھا جس نے خاموشی کو نجانے کیوں شعار بنایا ہوا تھا۔ آہستگی سے اس کی طرف سے نگاہ ہٹالی۔
''ہائے ثوبی...... امامہ۔''

اچانک دور سے انہیں بینا کی آواز سنائی دی تھی۔ گویا وہ بھی یہاں پہنچ چکی تھی۔

''کہاں تھیں تم دونوں۔ میں نے کتنا تلاش کیا تمہیں۔'' ذرا دیر میں وہ ان کے سامنے آموجود ہوئی۔

''ہم تو یہیں تھے، تم نے دیکھا نہیں ہوگا، بعض مرتبہ انسان کو سامنے کی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی۔'' امامہ کی آواز خود اسے اجنبی سی لگ رہی تھی۔

ارحم شیرازی کی موجودگی سے ساری حسیات منتشر ہوگئی تھیں۔ اس نے مضطربانہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جملہ پھینک دیا۔ ثوبیہ نے تلخی سے اسے گھورا تھا۔

''پتا نہیں تم کیا فلسفہ ہانک رہی ہو امامہ۔ چھوڑو اسے، یہ بتاؤ تم لوگوں نے رافعہ کو دیکھا۔ دلہن بن کر کتنی غضب لگ رہی ہے ناں۔'' بینا ہمیشہ کی طرح ادھر ادھر سے بے نیاز پوچھ رہی تھی۔

امامہ نے آہستگی سے گردن گھما کر دیکھا، ارحم شیرازی انہیں چھوڑ کر اپنا سابقہ گروپ جوائن کر چکا تھا۔ اس کے مڑ کر دیکھنا اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا تھا سو مسکرا کر دور سے ہی اس کا ثبوت بھی پیش کر دیا۔

فطری طور پر امامہ کا دل فوراً رخ موڑ لینے کو چاہا تھا مگر اس نے بہت آہستگی سے گردن گھمائی تھی۔ اس دوران ثوبیہ اور بینا رافعہ کو دیکھنے بلکہ دوبارہ دیکھنے چل پڑی تھیں۔ اسے بھی مجبوراً تقلید کرنا پڑی تھی۔

پھر بقیہ وقت ثوبیہ نے اس سے اس سلسلے میں گو کہ کوئی بات نہ کی تھی مگر اس کی ہر ادا سے بے چینی جھلک رہی تھی۔ گو کہ بینا بھی ان کے گروپ میں تھی مگر ان دونوں کے مقابلے میں وہ رافعہ سے زیادہ قریب تھی، جس کی شادی اس کی ہونے والی ساس کی علالت کی وجہ سے بیچلرز

مکمل کرنے سے پہلے ہی ہو رہی تھی۔ سو اس کے سامنے کچھ بھی ڈسکس کرنے سے احتراز ہی کیا تھا ان دونوں نے۔

پھر ارحم شیرازی اسے گاہے بگاہے نظر آتا رہا تھا۔ گو کہ اسنے حتی الامکان اس سے بچنے کی کوشش بھی کی۔ مگر اس چھوٹی سی گیدرنگ میں یہ ممکن نہیں تھا۔ کچھ اس میں ہاتھ ارحم شیرازی کا بھی تھا۔

ساڑھے دس بج چکے تھے، ثوبیہ کے گھر سے گاڑی آگئی تھی، اس نے امامہ کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی تو اس نے سرنفی میں ہلا دیا۔ بینا اس کے ساتھ ہی جا رہی تھی۔

''پاپا آئیں گے مجھے لینے۔'' جھوٹ بولنا اسکے لیے کبھی ایک مرحلہ ہوا کرتا تھا مگر اب وہ بنا کسی دقت کے آرام سے غلط بیانی کر لیتی تھی۔

''او کے پھر کل کالج میں ملیں گے۔''

اس نے جاتے جاتے کہا تو امامہ نے محض ہونٹ پھیلانے پر اکتفا کیا۔ یہ ٹھیک کہ گھر سے اسے اسی صورت میں اجازت ملی تھی کہ اسے واپسی پر ثوبیہ ڈراپ کرے گی مگر اس وقت اس کے ساتھ جانے کا مطلب اس کے سوالات کے نرغے میں پھنسنا تھا اور ایسا یقیناً وہ نہیں چاہتی تھی۔

وہ دونوں چلی گئیں تو وہ کتنی ہی دیر اکیلی کارنر ٹیبل پر بیٹھی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ گھر واپس کس طرح جاؤں؟ یہ سوال ذہن میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا حالانکہ یہ بھی سچ ہے کہ واپس جانے کی قطعی کوئی خواہش نہیں تھی اسکے اندر۔

ارحم شیرازی اب اسٹیج پر پہنچا ہوا تھا۔ اس کا مسکراتا ہوا خوبصورت چہرہ دور سے ہی نظر آ رہا تھا، جانے وہ واقعی نمایاں تھا یا پھر اسے لگ رہا تھا سو وہ اسے دیکھے گئی۔

ایک بار پھر اسکی نظروں کے ارتکاز نے ارحم کو اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس

لمحے اس نے یکدم جاندار مسکراہٹ امامہ کی جانب اچھالی تو وہ پلکیں جھپک کر رہ گئی۔
گیارہ بج گئے تو اس کی بے چینی بڑھنے لگی، اسنے ثوبیہ کے ساتھ نہ جانے کے ارادے پر خود پر اب باقاعدہ نفریں بھیجی۔
''بھلا ایسا بھی کیا ڈرنا امامہ منظر! ثوبیہ تمہاری دوست ہے، تمہیں کھا تو نہ جاتی۔ رہ گئے اس کے سوال تو ہر سوال کا جواب دینا تم پر فرض نہیں نہ ہی وہ تمھاری گارجین ہے۔'' ذہن اسے سرزنش کرر ہا تھا۔
وہ اس وقت اتنے عجیب سے احساسات میں گھری ہوئی تھی کہ اٹھ کر سامنے دلہن بنی رافعہ تک کے پاس نہ جا سکی۔ پتا نہیں کیوں اس کے سرخ عروسی جوڑے میں اسے ایک آگ سی دہکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
خود سے لڑنے کا نتیجہ تھا کہ تھکان اس پر سوار ہونے لگی سو وہ خود کو جبراً گھسیٹتی دروازے پر آ کر کھڑی ہوگئی۔ اندر کی بے تحاشا روشنی کے برعکس باہر کتنا اندھیرا تھا۔ بالکل اسی طرح اسکے روشن وجود کے اندر بھی تہہ در تہہ تاریکی اتر رہی تھی۔
''راستے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ کبھی منزل تک لے جاتے ہیں اور کبھی اس سے دور۔'' نومبر کی راتیں عام طور پر سنسان ہوتی ہیں اس وقت سڑکیں بھی ویران پڑی تھیں۔ اس نے سیاہ تارکول پر نظریں بچھا دیں۔
''مجھے ان راستوں پر چلنا ہے، مگر جانا کہاں ہے؟''
''کہاں جایئے گا آپ؟''
یک دم وہی سوال جو اسکے دل سے ابھر رہا تھا، اسکی عقب میں گونجا تو وہ برق کی سی تیزی سے مڑی۔ مقابل وہی ساحر تھا جس کے چہرے کے تنے تنے مغرور نقوش میں بلا کی نرمی جھلکتی

محسوس ہو رہی تھی۔ جس کے لہجے میں فکرمندی کا رنگ ہلکورے لے رہا تھا۔
وہ یونہی اسے دیکھتی رہی تو وہ قدرے مسکرا کر بولا۔
''میں نے پوچھا ہے، کہاں جایئے گا؟''
''جہاں راستے لے جائیں گے۔'' ایک گہری سانس اسکے لبوں سے خارج ہوئی تھی۔
''گویا راستوں کی مرضی پر چلتی ہیں آپ۔''
''ہاں کیونکہ راستے تو ہماری مرضی پر چلنے سے رہے۔ زندگی میں سمجھوتے کا عنصر نہ ہو تو گزارا مشکل ہے، سو میں نے بھی راستوں سے سمجھوتا کر رکھا ہے۔''
یہ سچ ہے کہ وہ اس سے یہ سب کہنا نہیں چاہ رہی تھی مگر ایک نادیدہ قوت نے اس سے یہ سب کہلوایا تھا جس پر وہ کھل کر ہنسا تھا۔ امامہ کی آنکھوں میں حیرت اور ناگواری کے رنگ ایک ساتھ اترے تو وہ دھیرے سے خاموش ہو گیا۔
''کوئی آئے گا آپ کو پک کرنے یا میں ڈراپ کر دوں۔''
''میرے گھر کا ایڈریس چاہئے تو وہ میں آپ کو ایسے بھی دے سکتی ہوں۔ اس کے لئے ناحق مشقت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس کی آفر پر امامہ نے سرد لہجے میں بے ساختہ کہا تو لمحے بھر کے لیے وہ ششدر سا رہ گیا۔
''لگتا ہے آپ بہت جلد فیصلہ کرنے کی عادی ہیں مس امامہ! مجھے آپ کا ایڈریس پتا کرنا ہوتا تو اس کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔ ایک ماہ تک آپ سے دوبارہ ملنے کا انتظار نہیں کرتا میں۔'' لمحوں کی تاخیر کے بعد جب وہ بولا تو نہ صرف اس کا چہرہ اور اس کی آنکھیں خفگی کا اظہار کر رہی تھیں بلکہ لہجہ بھی خشک ہو چلا تھا۔
امامہ کا دل جیسے ڈوب کر ابھرا۔ ایسے رویے کی تو وہ برسہا برس سے عادی رہی تھی۔ مگر

نجانے کیوں آج دل بھر آنے لگا، اس نے خود کو ہوا میں معلق محسوس کیا تھا، اسی لئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میرا مقصد محض آپ کی آفر کے پیچھے چھپے محرک کا اندازہ کرنا تھا۔ پلیز نو ہرٹ فیلنگز۔ چلیئے میں چلتی ہوں۔ غالباً پاپا آج گھر واپس نہیں آئے۔ ان فیکٹ آج کل وہ آؤٹ آف ٹاؤن ہوتے ہیں۔''

میکانکی انداز میں سرعت سے کہتی وہ اس سے پہلے باہر قدم بڑھا گئی تھی۔ ارحم شیرازی نے رک کر اسے حیرت سے دیکھا تھا جب ہی اسکی تقلید کرنے میں اسے دیر لگی۔ تاہم ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے وہ خاصا سنجیدہ ہو گیا تھا۔

میرون اکارڈا اپنے مالک کی شخصیت کی طرح متاثر کن تھی اور چونکہ اس نے ایسی گاڑیوں میں بیٹھنے کی عیاشی کبھی کی نہیں تھی اس لیے عجیب سا گھبراہٹ آمیز خوشی کا احساس اسے سر سے پاؤں تک چھو گیا۔

''اسموک الرجک تو نہیں ہیں آپ؟''

کارساز روڈ پر آتے ہوئے اس نے بڑی شائستگی سے پوچھا تھا۔ امامہ نے ویران سڑک سے نظر ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

''زندگی ہمیں بہت سی چیزوں سے الرجک ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔ یوں بھی جو چیز اگلے فریق کی تسکین کا باعث ہو، اسے قبول کر لینا چاہیے۔''

''بہت اچھے خیالات ہیں آپ کے۔ میرا خیال ہے ایسی سوچ کے حامل افراد زندگی میں کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔'' وہ جیسے مرعوب ہو کر بولا تھا۔

وہ یکدم ہنسی تھی پھر دھیرے دھیرے اسکی ہنسی طویل ہوتی چلی گئی ارہم شیرازی نے بہت

تعجب سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ ایسے ہنسیں کیوں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"بس یونہی۔ ویسے آپ کی فلاسفی خاصی دلچسپ ہے۔ مجھے آج تک کامیابی سے جڑے اس محرک کے متعلق علم نہیں تھا۔ بائی دا وے آپ رہتے کہاں ہیں؟"

وہ نجانے اور کیا کچھ کہہ جاتی بمشکل شعوری کوشش سے خود کو روکا تھا۔

"کارساز روڈ پر ہی۔" امامہ کے اچانک اور بے ربط سوال پر اس نے رسانیت سے کہا تو وہ پہلے ٹھٹھکی پھر خفگی سے اسے دیکھا۔

"تو آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"آپ نے پہلے پوچھا کیوں نہیں؟" ترت جواب آیا تھا۔ وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

"پلیز مس! میں ایک شریف بندہ ہوں یو کین ٹرسٹ می۔" اب کے اس نے اعتماد سے کہا تو وہ تیکھے پن سے اسے گھورنے لگی۔

"جبھی اتنی رات گئے ایک اجنبی انجان لڑکی کے ساتھ یوں گھومتے پھر رہے ہیں۔" بجائے اس کا شکر گزار ہونے کے اس نے اسے کھری کھری سنائیں تو وہ چکرا سا گیا۔

"واٹ ربش۔ میں آپ کو ڈراپ کرنے جا رہا ہوں۔"

"کہاں...... کس ایڈریس پر۔ کوئی سوال بھی کیا آپ نے۔ مجھے تو لگتا ہے آپ مجھے ڈراپ کرنے نہیں بلکہ......"

"پلیز اسٹاپ اٹ۔ میں اپنے کردار پر کسی کی غیر معقول حرف گیری برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر آپ کو مجھ پر شبہ ہے تو پلیز آپ جا سکتی ہیں۔"

امامہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے کار کو بریک لگا دیئے تھے۔ ساتھ ہی

کھردرے لہجے میں کہہ کر رخ موڑ لیا۔ اس بار پھر اس نے امامہ کو زمین پر لا پٹخا تھا۔

''آخر وہ ایسا کیوں ہے۔ ذیشان مسعود کی طرح کیوں نہیں ہے۔ اتنی انا، ایسی اکڑ ایسا طنطنہ۔ اسے امامہ کا ایک لفظ بھی برداشت نہ ہو سکا تھا حالانکہ جب تک اپنا مقصد پورا نہ ہو، مرد عورت کے سامنے ریشہ خطمی ہی رہتا ہے۔ یہ اسکا تجربہ تھا کہیں سے سنی سنائی بات نہ تھی یہ۔

وہ چپ چاپ بیٹھی موازنہ کر رہی تھی جب ہی وہ تلملا کر پلٹا تھا۔

''اب کیا مراقبہ کر رہی ہیں آپ۔ آپ کو جانا ہے تو چلی جائیں۔'' وہ شدید غصے میں تھا۔

''اتنی دور لا کر بیچ راستے میں چھوڑنا کیا آپ مردوں کی سرشت میں شامل ہے؟'' امامہ نے رسانیت سے پوچھا تو وہ سخت الجھن کا شکار ہو گیا۔

''آپ کیا ہیں امامہ! میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔''

''اتنی جلدی کسی کو سمجھنا آسان نہیں ہے ارحم شیرازی! یوں بھی آپ خود کو اس مشقت میں کیوں ڈالتے ہیں جس گاؤں جانا نہ ہو اس کے کوس گننا محض وقت کا ضیاع ہے۔ پلیز چلئے مجھے بہت دیر ہو گئی ہے۔'' اس نے یکدم روکھا لہجہ اپنا لیا تھا۔

ارحم نے ایک ساعت کے لئے بغور اسے دیکھا اور پھر گہری سانس بھر کر کار اسٹارٹ کر دی پھر نجانے کتنے راستوں سے گزر کر گھر آ ہی گیا۔ ایڈریس بتانے کے بعد وہ پھر نہیں بولی تھی۔

''بس یہیں روک دیں۔'' اس نے گلی میں داخل ہونے سے پہلے ہی کہا۔

''یہی گھر ہے آپ کا۔'' اس نے بریک لگاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

نہیں۔ اس گلی کے آخر میں ہے۔ مگر آپ کے ساتھ جاؤں گی تو محلے میں چہ میگوئیاں ہوں گی۔ اینی وے آپ کا حد درجہ شکریہ آپ نے کسی بھی وجہ سے سہی زحمت کی۔'' اس پورے عرصے میں وہ پہلی بار مسکرائی تھی۔

ارحم شیرازی کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر یکدم کوئی چمک سی لہرائی تھی۔ مگر یہ چمک اس چمک سے بالکل مختلف تھی جو ذیشان کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر کوندتی تھی۔

''کیا ہم پھر ملیں گے؟'' وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

نجانے کیا تھا اس کے لہجے میں اس کا اندر جل تھل ہونے لگا، پلکیں بھیگنے پر تل گئیں۔

''میری خواہش ہے کہ ایسا نہ ہو۔'' اسکی صاف گوئی بہت تکلیف دہ تھی ارحم کے لئے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، وہ سختی سے بولی۔

''اوہ پلیز آپ اب یہ نہ کہئے گا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہوگئی ہے۔ محبت کی تعریف بدل چکی ہے میرے لئے۔ اس لئے میری دعا ہے کم از کم آپ کو مجھ سے محبت نہ ہو۔''

ارحم کے چہرے کا رنگ بدلتا دیکھ کر اس نے سرعت سے اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔

اور پھر من من بھر کے قدم اٹھاتی وہ اپنے گھر کی طرف آگئی تھی۔ نجانے کب تک وہ وہیں کھڑا رہا تھا اور جب اس نے ایک گیٹ پر پہنچ کر مڑ کر دیکھا تو وہ سر جھٹک کر کار ریورس کر گیا تھا۔

''ہاہ!'' ایک طویل سانس لے کر اس نے اپنا مردہ وجود اپنے گھر تک کھینچ لے جانے کے لئے زور لگایا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسکا گھر دیکھتا۔

اگلے دس منٹ بعد وہ اپنے گھر کے سامنے تھی اور اندر سے آتی چیخ پکار کی آوازیں اسکا استقبال کر رہی تھیں۔

درد کی شدت حد سے سوا ہو جائے تو بے حسی جنم لے لیتی ہے اور ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہے۔ آپ زندگی میں ملنے والے پے در پے دکھوں پر آخر کب تک رو سکتے ہیں، ایک نہ ایک دن تو آنسو تھمنے ہی ہیں سو اس نے بھی کسی وقت فرصت سے بیٹھ کر اپنے سارے آنسو بہا ڈالے تھے۔

اب آنکھوں میں نمی کبھی کبھی ہی آتی تھی۔ دل سے بھی بہت کچھ رخصت ہو چکا تھا۔ اندر سے آنے والی آوازیں سماعتوں سے برسوں پرانی آشنائی رکھتی تھیں، سو اس نے کوئی خاص فرق محسوس نہیں کیا۔ وہیں باہر لان کے کنارے ٹک گئی۔

''بی بی کے اونچی آواز میں رونے سے تاہم اندر ہی اندر اسے کچھ ہوتا ضرور تھا۔ اسکے ذرا دیر پہلے بولے گئے جھوٹ کے مطابق پاپا ''آؤٹ آف ٹاؤن'' تو نہیں البتہ ''آؤٹ آف کنٹرول'' ضرور تھے۔ اسے یقین تھا کہ اندر شہابہ کسی کونے میں دبکی ہوئی ہوگی۔ آگے بڑھ کر بی بی کو پاپا کے چنگل سے چھڑانے کی اس میں ہمت ہوگی نہ سکت۔

اور سکت تو اتنی بی بی میں بھی نہ ہوگی۔ آخر ایک طاقت ور مرد کے سامنے جب وہ بپھرا ہوا بھی ہو، ایک کمزور عورت کیا کر سکتی ہے ماسوائے احتجاج کے سو وہ بی بی کر رہی تھیں۔

اندر سے شور وغل اب مدھم ہونے لگا تھا۔ شاید بی بی نے خود کو نڈھال پا کر صیاد کے حوالے کر دیا تھا۔ پاپا جیسے مرد کی طاقت کے آگے وہ بھلا کب تک ٹکتیں۔

مرد محض اس لئے طاقت ور نہیں ہوتا کہ خدائے بزرگ و برتر نے اسے جسمانی طور پر قوی بنایا ہے بلکہ وہ معاشرتی، اقتصادی اور جذباتی ہر لحاظ سے عورت سے قوی تر ہوتا ہے۔ سوائے ایک نفس کے۔ نفس کے معاملے میں دونوں میں اسے زیادہ کمزور مرد ہی نظر آیا تھا۔

اپنی اس بیس سالہ زندگی سے اس نے یہی سیکھا تھا کہ مضبوط سے مضبوط مرد صرف اپنے نفس سے ہارتا ہے مگر اس کی ڈھٹائی ہے کہ اس کا بھی سارا الزام عورت کے سر ڈال دینے میں وہ ذراسی بھی غفلت کا شکار نہیں ہوتا۔

مگر اس میں مرد کا قصور کچھ ایسا زیادہ بھی نہیں۔ عورتیں بھی تو ایک مرد کے اشارے پر دوسری عورت کو مطعون قرار دے دیتی ہیں جبکہ عورت اگر ثبوت بھی فراہم کرے تو معاشرہ

اسے قابل قبول نہیں گردانتا۔

''امامہ! تم اتنی رات گئے یہاں کیا کررہی ہو؟''

وہ اپنے خیالوں میں اتنی محو تھی کہ ذیشان کے سر پر آ پہنچنے تک نہ چونکی۔ اس نے پکارا تو لامحالہ نظر اٹھانی پڑی۔

''مگر نجانے کیوں سر اٹھا کر دیکھنے کے باوجود وہ اسے بہت پستی میں کھڑا نظر آرہا تھا۔

''لگتا ہے تم پر پھر سے قنوطیت کا دورہ پڑا ہے۔ چلو اٹھو فوراً۔''

بازو سے پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے وہ قدرے روکھے پن سے بولا تو امامہ نے بازو چھڑا لیا۔

''انسان نظر سے گر جائے تو زمین سے اٹھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا، شانی۔''

''تمہیں پتا ہے نا کہ تمہارا فلسفہ میرے سر پر سے ڈھائی فٹ اونچا گزرتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اپنے الفاظ ضائع نہ کرو۔'' وہ آج کچھ آف موڈ میں تھا۔

''ہاں شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے وقت اور الفاظ دونوں ضائع نہیں کرنے چاہئیں۔''

ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے خود کو مکمل طور پر بے بس اور پژمردہ محسوس کیا تھا۔

''لگتا ہے آج کنٹرول لائن پر پھر سے فائرنگ ہوئی ہے۔'' گیٹ لیمپ کی روشنی میں امامہ کا چہرہ اسے زرد نظر آیا تھا۔ جب ہی یقین اور معنی خیزی سے بولا۔ اس کا اشارہ بی بی اور پاپا کی طرف تھا۔

''میں چلوں گی۔'' گیٹ کی چابی بیگ سے نکالتے ہوئے اس نے رخ پھیرا تو ایک دم ذیشان نے اسکے کندھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور قریب جھک کر بولا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

اسے اپنے کندھے کسی خونی درندے کے پنجے میں جکڑے ہوئے محسوس ہوئے۔ وہ برق کی سی تیزی سے اس سے علیحدہ ہوئی تو وہ اس غیر متوقع رویے سے کچھ اچھنبے میں پڑ گیا۔ اس پر اسکا سنگین لہجہ۔

”مگر مجھے تم سے نہیں ملنا۔ کیا تم خواہشات کے پیچھے دوڑتے کبھی رک کر یہ بھی سوچتے ہو ذیشان مسعود کہ ہر لڑکی محض وجود نہیں ایک روح بھی ہوتی ہے۔ وجود اور ذات کی کوئی تشریح ہے تمہارے پاس؟“

نفرت، حقارت اور کراہیت جیسے اگر دس الفاظ اور بھی جمع کر لیے جاتے تو بھی ذیشان مسعود کے لئے اسکے احساسات کی تشریح کرنے میں ناکام رہتے۔

”بحث کا موڈ نہیں ہے میرا۔“ وہ اکھڑنے لگا تھا۔

”یہی میں تمہیں بھی سمجھانا چاہتی ہوں۔ جو بات بنا کہے تمہاری سمجھ میں آرہی ہے، اس کے لئے مجھے الفاظ جمع کرنے پر مجبور مت کرو۔ اب جاؤ پاپا آج بہت خوفناک موڈ میں ہیں۔“

اگلے لمحے ہی گیٹ کا لاک کھول کر وہ اندر آگئی تھی۔ گھر میں خاموشی کا راج قائم ہو چکا تھا۔ یوں بھی جو سین ابھی گزرا تھا اس کے بعد عام طور سے یوں ہی ہوتا۔

اس نے سیدھا اپنے کمرے میں آنا بہتر سمجھا کیونکہ کسی بھی دوسرے فریق سے ملنے کا مطلب ان سب کی لعن طعن یا آہ وزاری کا ہدف بننا تھا جبکہ اس وقت وہ سخت بے زاری محسوس کر رہی تھی۔ بچپن سے یہ سب دیکھتے چلے آنے کے باعث وہ اس روٹین کی عادی ہو گئی تھی۔ بقول شاعر، رنج کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج، کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔

انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور اس کے گرد اگر انسانوں کا ہجوم رہے تو وہ خوشی اور طمانیت محسوس کرتا ہے۔ لیکن اسکی سوچ اس کے برعکس تھی۔ اس کے نزدیک انسان کے گرد

انسانوں کا ہونا اتنا اہم نہیں جتنا کہ ان میں انسانیت کا ہونا اہم ہے۔ یہ اسکا نقطۂ نظر تھا اور وہ اپنی سوچ پہ ہمیشہ کی طرح مطمئن تھی۔

''اف امامہ! تم آ گئیں۔'' شہابہ کو نجانے کیسے اسکی آمد کی خبر ہو گئی تھی۔

''کیا کروں، مجبوری تھی کہیں اور جا جو نہیں سکتی تھی میں۔''

اسے سامنے پاتے ہی وہ چراغ پا ہونے لگی تھی حالانکہ ''کہیں'' کا لفظ اسکے اندر ادھم مچا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے باہر ذیشان مسعود کھڑا اب بھی اسکا منتظر ہے۔

''پلیز ایسے مت کہو۔ ویسے تمہیں اتنی دیر کیوں ہو گئی۔'' اس نے موڈ بدل لیا تھا۔

''واپسی کی خواہش نہ ہو تو دیر ہو ہی جاتی ہے۔'' اس نے گم صم سے لہجے میں کہا۔ ذہن اب بھی میرون اکارڈ میں گزارے لمحوں کو زندہ محسوس کر رہا تھا۔

''تم نے کھانا کھایا؟'' شہابہ نے کچھ پریشانی سے اسکا جملہ نظر انداز کر دیا تھا۔

''نہیں۔ مجھے اس وقت بھوک نہیں تھی......''

''مگر رافعہ تو تمہاری خاصی قریبی دوست ہے، اسے تو چاہیۓ تھا کہ تمہیں بعد میں پوچھ لیتی۔'' شہابہ نے کچھ ناگواری سے کہا تھا۔

''لڑکیاں دلہن بن کر بہت فاصلے پر چلی جاتی ہیں شہابہ۔ اپنے اور بیگانے کے بین بین لگتی ہیں۔ کترائی ہوئی گھبرائی ہوئی جیسے ہوا میں معلق ہوں۔ ہے نا؟''

پتا نہیں اسکے سوال کا شہابہ کے پاس جواب تھا یا نہیں۔ وہ سر جھٹک کر اٹھ گئی تھی۔

کھانا لا کر اسکے سامنے رکھنے کے بعد شہابہ نماز کے لئے کھڑی ہو گئی۔ جبکہ اسکا دل نہ اناج میں لگ رہا تھا نہ کام کاج میں بس یونہی بیٹھے رہنے کو جی چاہ رہا تھا۔

''کھانا کھا لیا ہو تم نے تو نماز پڑھ لو۔'' بیس منٹ بعد شہابہ نے سر گھما کر اسے ہدایت دی

تو وہ خاموشی سے وضو کرنے اٹھ گئی۔

نماز کے دوران بھی اس کی وہی حالت تھی۔ وہ بے روح جسم لئے خدا کے حضور کھڑی تھی۔ پتا نہیں کھڑی بھی تھی کہ گری ہوئی تھی۔ نہ نظریں اٹھتی تھیں نہ لب جنبش کرتے۔

یہ سچ ہے کہ تمام تر گناہوں کے باوجود وہ نماز بڑی بے کیفی سے پڑھ لیا کرتی تھی۔ اپنے خالق کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی وجود کی معصیت پر شرمندگی نہیں ہوتی تھی۔ بس جیسے ایک میکانکی عمل تھا اٹھنے بیٹھنے اور جھکنے سجدہ کرنے کا سو وہ کئے جاتی اب بھی کر رہی تھی۔

سلام پھیرنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر خالی الذہن بیٹھی رہی۔ مانگنے کے لئے کوئی دعا نہیں تھی اور جو تھی بھی تو اس کے لئے حوصلہ کم پڑتا محسوس ہوا تھا۔

آیت الکرسی پڑھ کر سونا امامہ! کل بھی تم رات کو جاگ گئی تھیں۔'' تکیہ درست کرتے ہوئے شہابہ نے روزانہ کی طرح اسے آخری ہدایت کی۔ اس کی آواز بھیگی ہوئی لگ رہی تھی پلکیں بھی نم نم سی تھیں۔

اسے غم بانٹنے نہیں آتے تھے نہ ہی تسلی اور دلاسے دینا اسکی عادات میں شامل تھا۔ مگر آج نجانے کیوں اس کا دل چاہا کہ ایک لمحے کے لئے وہ شہابہ کو کندھے سے لگا کر تشفی دے کوئی ایسی تسلی جو آج تک خود اسکے حصے میں بھی نہیں آئی مگر اپنی سوچ پر عمل کرنا مشکل تھا۔

''اچھا!'' بے تاثر لہجے میں کہہ کر اس نے آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔

کتنی عجیب بات ہے نا کہ انسان بیک وقت شیطان اور رحمٰن کے تابع رہے۔ مگر یہ ہی اٹل سچائی ہے اور اس سچائی کا واضح ثبوت وہ تھی۔ ذیشان مسعود تھا، پاپا تھے جو خدا کی امانت کی خوب دیکھ بھال کر رہے تھے اور ساتھ ہی کالج میں لیکچرر تھے۔ بی بی بھی ایسی ہی تھیں جن کا

دل اور دماغ تو کسی اور کے بس میں تھا مگر جسم اور مرضی پاپا کے ہاتھوں میں۔
''آیت الکرسی مکمل کر کے اس نے آنکھیں موند لیں۔ آج پھر سے ارحم شیرازی کا ہیولہ اسکے تصور کے پردے پر لرز رہا تھا۔ یہ شاید اکتسویں رات تھی جب اس نے اسے بند پلکوں کی دوسری جانب محسوس کیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے ایک تاریک کمرہ، ذیشان مسعود کا وجود اور اپنا گناہ اسکے تصور کے پردے پر آ جمتا تھا۔
وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی تو شہابہ اسے آیت الکرسی کا ورد کرنے کی تلقین کرتی رہتی۔ وہ دونوں ایک ہی کمرے میں رہتی تھیں مگر ان کے مابین دوستی یا رازداری جیسا کوئی تکلف نہیں تھا۔ سو اس کا دکھ اس تک ہی محدود رہا۔ ذیشان سے پہلے اس کی بند آنکھوں میں دوسرے مناظر اترتے تھے جن میں پاپا کے بنائے گھر کا قابل تحسین ماحول اپنی محرومیاں یا گھر سے باہر ادھر ادھر پھرتے رہنے کے باعث خود پر گزرے چھوٹے موٹے واقعات کی تفاصیل۔
باوجود کوشش کے اسے نیند نہیں آئی تھی۔ کرنے کو کچھ نہیں تھا اس نے کھلی آنکھوں سے خواب بننے شروع کر دیئے۔ ایسے سپنے جن میں ہر محرومی کی تلافی کی گئی تھی۔ ہر وہ شے اسے حاصل تھی جس کی اس نے کبھی چاہ کی تھی اہمیت، قدر، محبت اور عزت جیسی نایاب اور عنقا چیزیں بھی اور سب سے بڑھ کر کسی قدر دان محبت کرنے والے تحفظ دینے والے کا ساتھ۔
''اف یہ خواب بھی کتنے خوبصورت ہوتے ہیں۔'' کتنے عرصے بعد اس کی پلکوں نے ایک سپنا بنا تھا ورنہ کچھ تاریک دن اسکی پوری حیات پر چھا گئے تھے۔ آنسوؤں کی نمی خوابوں کے گھروندوں کو بہا لے گئی تو زندگی میں دیکھنے کی کوئی سنہرا منظر کوئی چاندنی رات کوئی سندروی صبح نہ رہی۔
مگر آج اس نے خود کو روکا نہیں تھا۔ آزادی کے ساتھ ایک جھوٹا خواب دیکھنے کی مرضی

اسے بھی حاصل تھی۔ایسی چھوٹی موٹی عیاشیاں کرنا یقیناً اسکا بھی حق ہے۔اس نے خود کو باور کرایا اور آنکھیں موند کر اپنا تصور سجانے لگی جس کی شروعات میرون اکارڈ کے پر مسرت ماحول سے ہوتی تھی۔رات تیزی سے بھیگنے لگی۔

وقت سے کون کہے یار ذرا آہستہ

گر نہیں وصل تو یہ خواب رفاقت ہی ذرا دیر رہے

وقفہ خواب کے پابند ہیں

جب تک ہم ہیں!!

یہ جو ٹوٹا تو بکھر جائیں گے سارے منظر

(تیرگی زاد کو سورج ہے فنا کی تعلیم)

ہست و نیست کے مابین اگر

خواب کا پل نہ رہے

کچھ نہ رہے

وقت سے کون کہے یار، ذرا آہستہ!

ہر گزرتا پل اسکے دل پر پاؤں رکھ کر بیت رہا تھا۔

اور گزرے چند دنوں پہلے کا منظر اس کی آنکھوں میں زندہ ہونے لگا۔

☆......☆......☆

خیالات کی یورش نے اس کی توجہ کا سارا ارتکاز کچھ اس طرح اپنی جانب مبذول کر رکھا تھا کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب فٹ پاتھ سے اتر کر اس کے قدم سڑک پر آ گئے۔ ہوش اس

وقت آیا جب مہرون اکارڈ اس کے سر پر آ پہنچی، پھر ارحم شیرازی نے بہت مشاقی سے ڈرائیو کر کے اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ اچانک سامنے آگئی تھی ایسے میں بریک لگتے لگتے بھی وہ کار کے بونٹ سے ٹکرا ہی گئی۔ اور توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے سڑک پر کمر کے بل گر پڑی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' ارحم شیرازی کچھ غصے اور فکرمندی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

''ہیلو مس...... پلیز کھڑی ہوں۔ دکھایئے مجھے، چوٹ زیادہ تو نہیں آئی آپ کو۔''

وہ باہر نکلا تو سڑک پر اٹھ کر بیٹھتی امامہ منظر کو دیکھ کر اس کا سارا غصہ ہوا میں تحلیل ہو گیا، جس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ یقیناً وہ بہت تکلیف محسوس کر رہی تھی۔

ارحم کے پکارنے پر اس نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا، آنکھوں میں سرخ ڈورے کھنچے تھے، لب بھینچے یقیناً وہ اپنی سسکیاں روک رہی تھی۔

''آپ کو اس طرح روڈ پر نہیں آجانا چاہیے تھا۔ دو میٹر کے فاصلے پر تو ہے زیبرہ کراسنگ، وہاں سے روڈ کراس کر لیتیں، تو اس طرح زخم نہیں لگتا آپ کو۔'' ارحم کے لہجے میں محسوس کی جانے والی نرمی تھی۔

امامہ نے بے ساختہ نظر چرائی تھی۔ اب اسے کیا بتاتی کہ اس کا تو پور پور زخمی ہے، وہ تو لہو لہان ہے۔ یہ الگ بات کے روح پر لگے زخم کسی کو نظر نہیں آتے۔

''اٹھیے آپ، ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں، یہاں قریب میں ہی ایک کلینک ہے۔'' اس کی مسلسل خاموشی اور بہتے آنسوؤں نے ارحم کو متاثر کیا تھا۔

امامہ کو حیرت ہوئی، غلطی اس کی نہیں تھی پھر بھی وہ شرمندہ نظر آ رہا تھا۔

وہ نماز کے لیے سر پر دوپٹہ لپیٹ کر کھڑی ہوئی تھی کہ بی بی اور پاپا کے کمرے سے آتی مار

دھاڑ کی آوازوں پر نجانے اسے کیا ہوا کہ وہ بنا سوچے سمجھے گھر سے نکل پڑی تھی۔

اس وقت حجاب کے ہالے میں مقید اس کا چہرہ بہت معصوم لگ رہا تھا، وہ ارحم کو نہایت پاکیزہ لگی۔ وہ اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک گیا تھا اور پھر اس کے دوپٹے کے آنچل کے اوپر سے اس کے ہاتھ کو تھام کر اسے سڑک سے اٹھاتے ہوئے ارحم کے ہر انداز سے جھلکتے وقار نے امامہ منظر کو بہت متاثر کیا تھا۔

یہ سچ تھا کہ وہ بہت کم روتی تھی مگر اس وقت اس کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔ جانے یہ چوٹ اس کے دل کو لگی تھی یا اس کے جسم کو۔

''بس ابھی آجاتا ہے ڈاکٹر۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

ارحم فکرمندی اور پشیمانی سے بولا تو امامہ کو اپنے زخموں پر مرہم کی سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔

''سب خیریت تھی آپ اس قدر ایمرجنسی میں کہاں جا رہی تھیں۔'' وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے کوئی دیرینہ دوست ہو۔'' امامہ نے اس لمحے حیرت سے اس کی جانب دیکھا تو وہ خفیف سا ہو کر ویٹنگ روم کی کرسی سے اٹھ کھڑا ہو۔

''میں دیکھتا ہوں۔ ڈاکٹر کہاں ہے۔'' اس کے جاتے ہی امامہ کو اپنے زخم دیکھنے کا خیال آیا۔ اس کی آستین کہنی سے پھٹ گئی تھی اور اس سے جھانکتا اس کا زخم واضح نظر آرہا تھا۔ اس نے گہری سانس بھر کر ذرا دیر پہلے گزرے واقعہ پر نظر دوڑائی اور آنکھ بند کر کے بیٹھ گئی۔

کچھ ہی دیر میں اس کی ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔

''مس امامہ یہ میڈیسنز آپ کے لیے ہیں وقت پر کھا لیجیے گا اور ہاں اگلے تین دن تک آپ کو ڈریسنگ چینج کرانے یہاں آنا ہوگا، بل پے ہو چکا ہے۔ آئی ایم سوری میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔'' دواؤں کا شاپر اسے پکڑاتے ہوئے وہ ملائمت سے بولا۔

"غلطی آپ کی نہیں۔ میری ہے ارحم صاحب۔ پھر بھی میرے لیے آپ نے اتنا تردد کیا، میں شکرگزار ہوں۔ اور شرمندہ بھی۔"

اس تمام عرصے میں اس نے پہلی بار کچھ کہا تھا۔ ارحم نے بغور اسے سنا اور بے اختیار مسکرا دیا۔

"چلیے یوں ہی سہی، بہر حال اپنا خیال رکھیے گا۔ اور علاج کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔"

ارحم کی مسکراہٹ اس کی شخصیت کی طرح خوب صورت تھی۔

امامہ منظر کے لیے نظر جما کر دیکھنا کار محال رہا۔

"آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔"

اس نے شائستگی سے پیشکش کی تھی مگر امامہ اسے اپنے اس مڈل کلاس محلے میں لے کر نہیں جا سکتی تھی۔ اس لیے نفی میں سر ہلا دیا تھا اس نے۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے مس۔ ذرا سا ہی تو فاصلہ ہے۔" وہ بضد ہوا مگر اس بار امامہ کا انداز دو ٹوک تھا۔

"نہیں شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔"

اس کا لہجہ یکدم خشک ہوا تو ارحم شیرازی لب بھینچ کر اسے خاموشی سے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

پھر اگلے تین دن وہ وہاں ڈریسنگ کے لیے جاتی رہی مگر وہ دوبارہ نظر نہیں آیا۔ اور آج اچانک اس سے ملاقات نے امامہ کے اندر اکھاڑ پچھاڑ شروع کر دی تھی۔ اس چہرے کو گزرے ایک ماہ میں اس نے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تھا۔

☆......☆......☆

صبح وہ بہت فریش تھی جانے کیوں حالانکہ رات اسے بہت دیر سے نیند آئی تھی۔

رات کے تمثیلی تماشے کا اثر سب کے چہروں سے ہویدا تھا۔ اسے حسب روایت پرواہ نہیں تھی۔ چائے کے دو کپ کے ساتھ اس نے بوائل انڈا بنا کر خود ہی کھا لیا تھا۔

''واپسی پر مجھے دیر بھی ہو سکتی ہے۔'' چلتے چلتے اس نے بی بی کے کان میں بات ڈالی تو وہ آہستگی سے سر ہلانے لگیں۔ پاپا البتہ لاتعلق سے بیٹھے چائے پیتے رہے تھے۔

''رات تم کو خاصی دیر ہو گئی تھی۔'' بی بی نے کچھ دیر بعد سوال کیا تو اسے رکنا پڑا۔ جانے کیوں ہنسی آ گئی۔

''دیر تو آپ کو بھی یہ سوال کرنے میں ہوئی ہے۔'' استہزائیہ انداز وطیرہ نہیں تھا اس کا مگر اس وقت بے اختیار منہ سے نکلا تھا۔ بی بی کا چہرہ غصے سے یکدم سرخ ہوا۔ پاپا نے بھی اخبار سے نظریں ہٹالی تھیں۔

''تمیز سے بات کرنا سیکھو امامہ، یہ ماں سے بات کرنے کا انداز ہے۔''

''مجھے اس گھر میں رہ کر آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ کس سے بات کرنے کا کیا انداز ہونا چاہیے۔'' رسانیت سے کہتے ہوئے اس نے کرسی کی پشت مضبوطی سے تھام لی تھی۔ بی بی کا چہرہ لمحے بھر کے لئے ست سا گیا مگر اگلے پل وہ چیخ اٹھی تھیں۔

''بکواس بند کرو۔ ماں باپ کو طعنہ دیتے تمہیں شرم نہیں آتی؟''

''شرم کی کیا بات ہے۔ جو میں نے دیکھا اور سمجھا ہے وہی کہا ہے۔ جب آپ ایک دوسرے کی عزت نہیں کر سکتے تو ہم سے یہ امید کس لئے رکھتے ہیں۔ محض اس لیے کہ......''

''چٹاخ......''

ایک لفظ بھی کہے بغیر پاپا کا آہنی ہاتھ اٹھا اور اسکے رخسار پر نشان بناتا چلا گیا باوجود سنبھلنے کی کوشش کے وہ بری طرح گری تھی۔ پورا وجود جیسے ساکت سا رہ گیا۔

خون کی گردش اتنی بڑھی تھی کہ اسے اپنی رگوں میں برقی روئیں دوڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔گال پر ہاتھ رکھ کر اس نے بڑی بے خوفی اور انتہائی تنفر سے پاپا کی طرف دیکھا تھا۔

''بے حیا لڑکی، بے شرم، بے غیرت، دفع ہو جا میری نظروں کے آگے سے۔''

اسکی اک نظر نے ہی ان کا جلال دگنا کر دیا تھا۔اسکا بس نہیں چلتا تھا کہ کمرے کی اک اک شے تہس نہس کر کے رکھ دے شہابہ اس دوران نجانے کیسے دوڑتی ہوئی اسکے پاس چلی آئی تھی۔اسے اٹھاتے ہوئے وہ سخت ہراساں تھی۔

چلو یہاں سے امامہ......چلو......'' امامہ کی بے خوف، خون آشام نظریں پاپا پر گڑے دیکھ کر وہ اسے بے دردی سے کھینچ رہی تھی۔

''فی الحال گھر سے چلی جاؤ امامہ تمہارے پاپا بہت غصے میں ہیں۔'' بی بی اسکے اور شہابہ کے پیچھے ہی افتاں وخیزاں نکل آئی تھیں۔

ان کا یہ جملہ مخصوص تھا۔ جب بھی پاپا کا میٹر گھومتا، وہ اسے اور ثاقب کو گھر سے باہر نکال دیتیں۔ثاقب بڑا تھا، لڑکوں میں چلا جاتا اور وہ یہاں وہاں مٹر گشت کرتی رہتی۔بچپن کی حد تک تو ٹھیک تھا مگر یہ روٹین اسکے بالغ ہونے کے بعد سے لے کر اب تک جاری تھی۔

جب وہ چھوٹی تھی ناسمجھ تھی تو انہوں نے اسے گھر کے محفوظ حصار سے باہر نکال پھینکا تھا۔

جوان ہوئی تو ذیشان مسعود اسے آٹکرایا۔وقت سے پہلے بہاروں کا مزہ چکھنے کے بعد اسکے اندر کی نوخیزی مر گئی مگر گھر والوں کو اب تک ہوش نہیں آیا تھا۔

''میرا دوسرا گھر کہاں ہے بی بی! میں کہاں جاؤں گی؟؟'' اس وقت اس کے آنکھوں میں لکھا سوال بہت واضح تھا۔بی بی اور شہابہ نے نظر چرا لی۔

''میرا خیال ہے، تمہیں کالج سے دیر ہو رہی ہے اماں۔'' وہ دونوں اسے گیٹ تک چھوڑنے

آئی تھیں۔''اللہ حافظ۔''

اپنے پیچھے گیٹ بند ہونے کی آواز اس نے سنی تھی۔

وہ اندر ہی اندر غم و غصے سے جھلس رہی تھی۔ آنکھوں میں آبی شرارے بھرتے جا رہے تھے کہ ایک دھندلا سا ہیولہ اس کے سامنے رکا۔

''ذیشان مسعود!'' پلکیں جھپکتے ہی سامنے کا منظر واضح تھا۔

''ڈسٹرب ہو۔ میرے ساتھ چلو گی؟'' ذیشان کا چاہت بھرا انداز اسے مقناطیسی کشش محسوس ہوا۔

''کہاں لے جاؤ گے۔ سارے راستے گم ہیں۔''

''تم بیٹھو تو سہی۔ چلنے سے ہی راستہ ملتا ہے۔ نہ بھی ملے تو بس چل پڑو وہی راستہ بن جائے گا۔'' ہاتھ پکڑ کر اس نے اسے بائیک پر بٹھا لیا تھا۔

اور پھر اگلے کئی گھنٹے تک وہ اس کے اشاروں پر عمل کرتی رہی۔ کوئی انتقامی جذبہ تھا جو اسے خود کو ریزہ ریزہ کرنے پر اکسا رہا تھا۔ خاک کر دینے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے اپنے لئے خود آگ جلائی تھی اور اب اس میں جل رہی تھی۔

''میں نے تم سے کل کہا تھا کہ تم سے ملنا چاہتا ہوں تو دیکھو، آج تم میرے پاس ہو۔ جانتی ہو، مرد کی خواہش میں بہت طاقت ہوتی ہے؟'' آسودگی سے مسکراتا وہ تحقیر آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔

وہ پژمردگی سے اٹھی اور دوپٹہ تلاش کر کے اوڑھنے لگی۔

(اور عورت کے انتقام میں......) آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے اس نے خود سے کہا تھا۔

''ناراض ہو۔'' وہ بیگ اٹھا کر کمرے کے دروازے سے نکلنا چاہتی تھی کہ ذیشان نے

پیچھے سے آکراسکا کندھوں کو دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔

''نہیں۔'' ہلکا سا رخ موڑ کر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''اور جو ہوں بھی تو تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ میرے کسی درد کی دوا تمہارے پاس نہیں۔''

''مگر میرے ہر دکھ کی تلافی تم ہو۔'' وہ اپنے نشے میں مست تھا۔

''اور میرے دکھ کی تلافی؟'' اُس کا رواں رواں دریافت کر رہا تھا۔

چھم سے ایک ہیولہ آنکھوں میں آکھڑا ہوا۔ کولڈ ڈرنک کا دیا اس کا گلاس جیسے اب بھی ہاتھوں میں لرز رہا تھا۔

''امامہ۔ کیا ہوا؟'' اس کی خود فراموشی پر ذیشان نے اسے چونکایا تھا۔

''بہت دیر ہو گئی ہے ذیشان۔'' اس نے یکدم گھبرا کر اس کا بازو دبوچ لیا تھا۔ اسکی اضطراری کیفیت اس سے چھپی نہ رہ سکی۔

''کالج سے؟''

''نہیں۔ پتا نہیں۔ بس میں جا رہی ہوں۔'' اس سے ہاتھ چھڑا کر وہ یکدم ہی بے قراری سے ہوٹل کے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ سڑک پر ٹریفک کا اژدھام اور لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہ سمت کا تعین کیے بغیر چل پڑی تھی۔ ذیشان اس کے پیچھے آیا نہ ہی اسے آنا تھا۔ اور وہ جو اپنے شل وجود کو سہارا دینا چاہتی تھی اور بھی لڑکھڑا گئی تھی۔

اس وقت بھی لرزیدہ قدموں سے چلتی وہ نجانے کتنی دور نکل آئی تھی کہ اچانک میرون اکارڈ نے اسکے نزدیک بریک لگائے۔

''دیکھ کر چلو لڑکی۔ کیا اندھی ہو۔ زندگی سے اتنی ہی عاجز ہو تو سمندر میں چھلانگ لگاؤ جا کر، دوسروں کو کیوں گناہ گار کر رہی ہو۔'' وہ جو کوئی بھی تھا، بری طرح بھڑکا تھا اور وہ جو میرون

اکارڈ کے اندر متلاشی نظریں بھٹکا رہی تھی جیسے خواب غفلت سے جا گی۔ بڑا خطرناک ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔

''اب ہٹو راستے سے۔ کیا مرنے کا بہت شوق ہے تمہیں؟'' وہ دوبارہ دھاڑا تو وہ چونکتے ہوئے پیچھے ہٹ آئی۔

صبح ایک تھپڑ اس کے گال پر پڑا تھا اور وہ کر گئی تھی، اب جیسے روح اور ضمیر پر پڑا تھا۔ وہ اٹھ اٹھ کر گر رہی تھی مگر سنبھل نہ پائی۔ اس وقت ذیشان مسعود نے اسے سہارا دیا تھا مگر اب کوئی نہ تھا، ہاتھ تھامنے والا۔

گھر واپسی کا سفر بڑا تکلیف دہ تھا۔ وہ جیسے راستے ہی بھولے جا رہی تھی۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد گھر پہنچی تو کتنی ہی دیر شاور کے نیچے کھڑی رہی مگر جیسے اندر کی غلاظت اپنی جگہ موجود تھی۔ رگڑ رگڑ کر ہاتھ اور چہرہ دھونے کے باوجود وہ مطمئن نہ ہو رہی تھی۔

''اما باہر نکلو۔ کیا صدیوں بعد شاور لے رہی ہو۔ پورا سوا گھنٹہ ہو گیا ہے تمہیں۔'' شہابہ کی گھبرائی ہوئی آواز نے بالآخر اسے نکل آنے پر مجبور کر دیا۔

''اف کتنا صابن لگایا ہے تم نے، سارے ہاتھ سفید ہو رہے ہیں۔'' اسکی ماں جائی کو اسکے ہاتھوں پر جما کاسٹک سوڈا تو نظر آ رہا تھا مگر جو درد کی شدت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی وہ اس سے غافل تھی۔

''ہاں میں نے اپنا فیس واش پھینک دیا ہے اس لئے۔'' ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے اس نے اسے اطلاع دی تو اس نے حیرت سے شانے اچکا کر باہر کی راہ لی۔

پھر ایک ایک کر کے پرفیومز ڈیوڈرنٹس، لپ اسٹکس اور ہر وہ چیز جو اسے ذیشان مسعود نے مختلف وقتوں میں گفٹ کی تھی اس نے اپنے کمرے سے باہر نکال پھینکی۔ لیکن پھر بھی سکون اور

اطمینان کا ایک لمحہ بھی اسے نصیب نہیں ہوا تھا۔ اب اگلے کئی دن تک اسے یوں ہی جھلسنا تھا۔ جلنا تھا اپنی لگائی ہوئی آگ میں۔ جل جل کر خاکستر ہو جانا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی یوں ہوئی بسر تنہا
قافلہ ساتھ اور سفر تنہا
دن گزرتا نہیں ہے لوگوں میں
رات ہوتی نہیں بسر تنہا

انتہائی بے دلی سے وہ کالج آئی تھی وہ تو شکر ہوا کہ ثوبیہ غیر حاضر تھی۔ بینا البتہ اسے تلاش کرتی کامن روم تک چلی آئی تھی۔

''اف اما کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں میں نے اور تم یہاں چھپی بیٹھی ہو۔'' پھولی پھولی سانسوں سمیت وہ سامنے صوفے پر گر گئی تھی۔

''چھپنا آسان نہیں ہوتا بینا۔ اگر یہ کام ممکن ہوتا تو میں تمہیں یہاں ملتی ہی نہیں۔'' اس کا آف موڈ لہجے سے عیاں تھا۔ بینا نے ہمیشہ کی طرح اسکا انداز اور لہجہ نظر انداز کیا۔

''ثوبیہ پورے ایک ہفتے کے لیے کوئٹہ چلی گئی ہے محترمہ کے ماموں کی شادی ہے۔ سو پلیز اب تم چھٹی کر کے مت بیٹھ جانا۔ سخت بوریت ہوتی ہے مجھے، رافعہ بیگم سسرال کو پیاری ہو چکی ہیں ان کے آنے کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ سخت بے زار تھی۔

''میرا چھٹی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ تم بے فکر رہو۔'' بیگ اٹھا کر وہ اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔ پولیٹیکل سائنس کی کلاس اسٹارٹ ہونے والی تھی۔ وہ دونوں تھرڈ فلور پر آ گئیں۔

پھر بہت سارے دن اسی طرح گزر گئے ذیشان مسعود نجانے کہاں غائب تھا۔ گھر میں بی

بی اور پاپا کے جھگڑے ہنوز جاری تھے۔ لڑے بغیر انہیں شاید کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف شہابہ تھی جو سہمی ہوئی سی اپنی اسکول جاب میں مصروف تھی۔

ثاقب کو پاپا نے عرصہ ہوا سکھر کے کسی ہاسٹل میں داخل کرا رکھا تھا۔ سال میں صرف پندرہ دن کے لئے وہ آتا پھر چلا جاتا۔ گھر کے ماحول کی وجہ سے وہ باغی ہونے لگا تھا اور پاپا کو بغاوت بالکل پسند نہیں تھی۔ جس کی راجدھانی ہو حکم بھی صرف اس کا چلنا چاہیے اور وہ پاپا کی اس بات سے صد فیصد متفق تھی جب ہی ثاقب کے جانے پر اس نے ایک آنسو بھی نہیں بہایا تھا۔

بی بی اور شہابہ البتہ دوپٹوں کی آڑ میں خوب روئی تھیں جبکہ اسے خوشی تھی کہ عارضی طور پر سہی ثاقب کو اس گھر سے نجات مل گئی ہے۔ وہ اسکا ماں جایا تھا اس کی خوشی اور سکون پر وہ کس طرح دکھی ہو سکتی تھی۔ پھر اس طرح اس کا کیریئر بھی بننے کے چانسز تھے۔

یہاں کیا ملتا۔ ذہنی اور روحانی اذیت، دن رات کی گالی گلوچ اور ذہنی انتشار۔ اچھا ہی ہوا وہ یہاں سے چلا گیا۔ اسے اپنا حشر دیکھ کر اس پر رشک آتا۔ بڑے شہر میں رہنے سے اس کے بگڑنے کا اندیشہ بھی زیادہ تھا۔ ذیشان مسعود کو دیکھ کر وہ اکثر سوچتی۔

اس شام گھر میں بالکل دل نہیں لگ رہا تھا۔ سامنے والے گھر میں رہنے والی صاعقہ سے اسکی اچھی دعا سلام تھی۔ سو وہ اس کی طرف چلی آئی۔ سوچا تھوڑا دل بہل جائے گا مگر اس کے پورشن کی طرف آ کر پتا چلا محترمہ گھر پر نہیں ہیں۔

واپس گھر جانے کا قطعاً دل نہ چاہا تو وہ مین روڈ پر بنے پارک کی طرف آ گئی۔ چند ماہ ہوئے یہاں کے نئے کاؤنسلر کی مہربانی سے بینچز وغیرہ ڈال دی گئی تھیں۔ ہوش سنبھال کر اس نے یہی محلّہ دیکھا تھا اس لئے اس کی سڑکوں، گھروں اور دکانوں سے اسے ایک طرح کی

انسیت تھی اور یہاں کے لوگوں کو اس سے۔ بچپن سے لے کر اب تک وہ اسی طرح ادھر ادھر پھرتی رہتی تھی۔ لوگ اسکے اور اسکے گھر والوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں یہ تو وہ نہیں جانتی تھی تاہم اس کے سرد رویئے کی وجہ سے اب اس سے دور ہی رہتے تھے۔

حالانکہ ایک وقت تھا بی بی اسے ''باہر جا کر کھیلو'' کا حکم سنا کر گلی میں نکال دیا کرتی تھیں اور وہ کھیلنے کے بجائے لوگوں کے کھیل کا سامان بنتی تھی مگر آج اس نے فاصلے قائم کرنے سیکھ لئے تھے۔ بچوں کو بالخصوص لڑکیوں کو بہت بچپن میں ہی ان کی Physical Boundries کے بارے میں بتا دینا چاہیے مگر نجانے کیوں والدین انہیں اور سب کچھ تو سکھا دیتے ہیں مگر ایسی باتوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں جس کا نقصان ان کے بچوں کو بھگتنا ہوتا ہے۔

پارک بینچ پر بیٹھتے ہی اسے اپنے بچپن کا اک اک لمحہ یاد آنے لگا تو بجائے پرسکون ہونے کے وہ اور بھی ڈپریس ہوگئی۔ ایسے میں سامنے سے آتا ذیشان مسعود اسکے لہو میں شرارے دوڑانے میں صد فیصد کامیاب ہوا تھا۔

''امامہ میری بات سنو۔ کہاں جا رہی ہو؟'' وہ اسے پکار رہا تھا مگر وہ تیز قدموں سے چلتی گھر لوٹ آئی۔ آج کتنے دنوں بعد اسے گھر میں امان سی محسوس ہو رہی تھی۔

دوسری صبح کالج جانے کے لئے وہ بس کا انتظار کر رہی تھی کہ ذیشان مسعود نے اپنی بائیک اسکے سامنے لا کر روکی۔ جلال کی ایک شدید لہر یکدم امامہ کے جسم و جاں میں موجزن ہوئی تھی۔ اسے شعلہ بار نظروں سے گھور کر وہ فٹ پاتھ پر چل پڑی تھی۔

''امامہ رکو پلیز۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔'' وہ بھی ساتھ ساتھ ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔

''مگر مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔''

''سن لو، ہوسکتا ہے اس میں فائدہ تمہارا ہی ہو۔'' اب کے اس نے لالچ دیا تھا گویا، وہ

ٹھٹھک کر رک گئی ساتھ ہی انتہائی حقارت سے اسے دیکھا۔

یہ وہ شخص تھا جس کی طرف وہ محبت کی خاطر بڑھی تھی مگر وہ ہمیشہ اسے استعمال کرتا تھا۔ اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے بعد وہ یوں انجان بن جاتا جیسے اسے جانتا ہی نہ ہو۔

''عرصہ ہوا ذیشان مسعود میں نے فائدے نقصان کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا ہے۔'' نفرت کے زہر سے نیلا ہو رہا تھا اس کا وجود۔ وہ ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

''لیکن اس بندے نے تمہارے متعلق سوچنا شروع کر دیا ہے ڈیئر۔'' ایک کمینی سی مسکراہٹ لئے اس نے معنی خیزی سے کہا تو امامہ نے قدرے اچھنبے سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب۔ کس کی بات کر رہے ہو تم؟''

''بیٹھو، بتاتا ہوں۔ بیٹھو تو۔ اچھا پر امس کالج ہی لے کر جاؤں گا۔'' اس نے اصرار سے کہہ کر اسکا ہاتھ پکڑا تو وہ جھٹکے سے چھڑا کر فاصلے سے بائیک پر بیٹھ گئی۔ ذیشان کا وجود پرفیوم کی خوشبو سے مہک رہا تھا مگر اسے اس کے روم روم سے تعفن اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔ گھٹن کا احساس اس پر حاوی ہونے لگا تو وہ چیخ اٹھی۔

''بولو کیا بات ہے۔''

''اوہ ہاں۔'' وہ جیسے کسی دھیان سے چونکا۔ ''کمال ہے امامہ تم نے مجھ سے بھی چھپایا۔ میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔''

''بے کار بحث میں وقت ضائع مت کرو ذیشان۔'' اسکا لہجہ یک دم سرد ہو گیا تو وہ طنزیہ ہنس پڑا۔

''سو تو ہے۔ اب تو میرے ساتھ وقت ہی ضائع ہو گا۔ ویسے تمہیں مجھ سے کیا شکایت تھی جو نیا دوست بنا لیا۔''

''واٹ نان سینس۔ کیا بکواس ہے یہ۔'' وہ سرتاپیر انگاروں سے مس ہوئی تھی جیسے۔

''بکواس نہیں حقیقت ہے۔ کل تمہارے پارک سے جانے پر میں نے تمہارا چند قدموں تک پیچھا کیا تھا، پکارا تھا مگر تم رکیں نہیں۔ میں مایوس ہو کر پلٹا تو پارک کے گیٹ سے لگ کر کھڑا ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص بڑی تیزی سے میری طرف لپکا تھا اور مجھے روکتے ہی جانتی ہو اس نے کیا پوچھا تھا؟''

''کک کیا!'' ارہم شیرازی کا ہیولہ اسکی پتلیوں پر ساکت ہو گیا تھا۔

''یہی کہ میں تمہارا کون ہوں۔ تمہیں کیسے جانتا ہوں؟ نیز یہ کہ تمہارا اصل ایڈریس کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔''

''تو تم نے کیا کہا؟'' اسکے انداز کی بے چینی خود اس پر عیاں تھی۔ ذیشان ذرا سا کھنکھار کر بولا۔

''تم نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے میں تمہیں نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا سو صاف کہہ دیا کہ ہم بچپن کے دوست ہیں۔ پڑوسی ہیں۔'' وہ خباثت سے ہنس رہا تھا۔

اور پتا نہیں کیوں اس لمحے امامہ کا دل چاہا اس کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کے روئے۔ پورا وجود جیسے ڈھیلا پڑتا جا رہا تھا۔ وہ یقیناً ارحم شیرازی تھا۔

''ویسے اس مرتبہ تم اس مڈل کلاس پھکڑ ذیشان مسعود کا انتخاب نہیں بلکہ اپر مڈل کلاس کے لینڈ لارڈ نے تمھیں منتخب کیا ہے۔ واہ کیا شان ہے اس کی۔ میری گھٹیا سی ڈی سیونٹی سے بہتر اس کی میرون اکارڈ۔ ترقی مبارک ہو۔''

ذیشان طنز کر کے گویا اسکی تضحیک کر رہا تھا۔ اپنا بدلہ لے رہا تھا مگر وہ لب بستہ سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ کہنے کے لئے بہت کچھ ہونے کے باوجود اسکے لب ساکت تھے۔

''چلو اترو تمہارا کالج آ گیا۔'' عین گیٹ کے سامنے لا کر بائیک روکنے پر اس نے کہا تو وہ

جیسے خواب سے جا گی۔

گیٹ پر اس وقت بہت رش تھا اسکی نظر ثوبیہ پر نہ پڑ سکی مگر وہ وہیں موجود تھی۔ وہ خود میں گم خیالات کے تانے بانے بنتے ہوئے آگے بڑھنے والی تھی کہ ذیشان نے پکار لیا۔

''ہمارا تمہارا ساتھ شاید یہیں تک کا تھا امامہ۔ میں جھوٹا کھانے کا عادی نہیں۔ اس لئے ہمیشہ کے لئے اللہ حافظ۔'' اس نے امامہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہوئے گویا اسکے منہ پر تھوکا تھا۔ بے اختیار اس نے ہاتھ چہرے پر پھیر کر کچھ ہٹانے کی کوشش کی اور اگلے ہی لمحے وہ بے اختیار چیخ اٹھی تھی۔

''میں تم پر تھوکتی ہوں ذیشان مسعود۔ آئی ہیٹ یو۔ آئی ہیٹ یو۔''

اسکی چیخیں کالج کے باہر گونجنے لگی تھیں۔ ایسے میں کتنے ہی ہاتھ اسکی طرف بڑھے جن میں ایک ہاتھ ثوبیہ کا بھی تھا مگر وہ ہسٹیرک ہو چکی تھی۔ مچلے جا رہی تھی بمشکل لڑکیاں اسے قابو کر کے سک روم تک لائیں۔

''مجھے جھوٹا کر کے وہ کہتا ہے وہ جھوٹا کھانے کا عادی نہیں۔ وہ کمینہ ہے جس نے میری زندگی برباد کر دی۔ ثوبیہ اس نے مجھے جیتے جی مار دیا۔ ثوبیہ اس نے مجھے جیتے جی مار دیا۔ مجھے اس سے نفرت ہے۔ مجھے خود سے بھی نفرت ہے۔ سب سے نفرت ہے۔''

وہ مانوس چہرہ سامنے پا کر ثوبیہ کے بازوؤں میں مچل مچل کر چیخ رہی تھی۔ اسکا حلق، اسکی اپنی آواز کی خراشوں سے چھل رہا تھا۔ سک روم میں بھری لڑکیاں حیرت اور تاسف سے اسے دیکھ رہی تھیں جبکہ ثوبیہ بالکل ساکت بیٹھی تھی حتیٰ کہ وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر ہانپنے لگی اور دھیرے دھیرے اردگرد سے غافل ہوتی چلی گئی۔

''امامہ تو شروع سے ایسی ہی ہے بدکردار اور بدکار۔ جبھی تو ہمارے گروپ نے اسے نکال

دیا تھا۔" اس کی آنکھ نجانے کیسے کھلی تھی تاہم پہلی آواز جو سنائی دی وہ سائرہ کامران کی تھی۔ وہ دم سادھے لیٹی رہی۔

"کک کیا مطلب!" ثوبیہ نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔

"آئی مین اس کا اس لڑکے سے جو آج باہر آیا تھا ذیشان نام ہے اس کا، دونوں کے درمیان Marital Relations ہیں۔" سارہ نے انکشاف کیا۔

"واٹ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" بینا کی آواز لڑکھڑائی۔

"سچ بتا رہی ہوں تمہیں۔ She Is An Adulteress (وہ ایک بدکار لڑکی ہے) اور سب سے زیادہ افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ وہ اس پر شرمندہ بھی نہیں۔ جب فرسٹ ٹائم ہمیں پتا چلا تو ہمارا بھی تمہارے جیساری ایکشن تھا۔ کتنی ہی دیر یقین نہیں آیا مگر جب ہم نے ایک دن اس سے پوچھا تو اس نے نہ صرف ڈھٹائی سے اپنا گناہ قبول بھی کیا بلکہ یہاں تک کہا کہ یہ اس کا پرسنل معاملہ ہے۔ اس پر ہم نے اسے اپنے گروپ سے نکال دیا۔ ہمارا مطالبہ تھا کہ وہ یا تو ذیشان کو چھوڑ دے یا ہمارے گروپ کو جواباً اس نے ہمیں ہی چھوڑ دیا۔ انٹر کے بعد اس نے تم لوگوں سے دوستی کرلی۔" سائرہ بتا کر خاموش ہوئی تو کتنی ہی دیر کمرے میں سناٹا چھایا رہا۔ امامہ کی دھڑکنیں البتہ شور مچا رہی تھیں۔

"یقین نہیں آتا۔ اتنی ریزروڈ اور سنجیدہ سی امامہ ایسی ہوگی۔ اف خدایا میری توبہ۔" بینا نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے حیرت اور کراہیت سے کہا تھا۔

"مگر اس نے کبھی مجھ سے تو تذکرہ نہیں کیا۔ ہم سے تو بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی۔" ثوبیہ ابھی بھی ڈانوڈول تھی۔

شاید اسے سائرہ کا بیان کسی جیلسی یا انتقام کا شاخسانہ لگ رہا تھا۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے ایسی باتیں وہ تم سے کہہ کر ہماری دوستی سے بھی ہاتھ دھو لیتی۔ سائرہ کا گروپ چھوٹنے سے کانشس نہ ہوگئی ہوگی وہ۔'' یہ بینا تھی جس کا تنفر بھرا لہجہ اسکی سماعتیں مشکل سے قبول کر رہی تھیں۔

''مجھے یقین ہے تم میری بات پر بلیو نہیں کر پا رہی ہو حالانکہ ابھی ابھی تم نے خود اسے اس بندے کے ساتھ دیکھا ہے اور بھی نجانے کون کون ہوگا۔ مگر وہ ہے ہی ایسی کہ اس کی بے کرداری پر بمشکل ہی یقین آتا ہے۔ بظاہر بے نیاز، فاصلے رکھنے والی مگر اندر سے پوری کائیاں۔''

سائرہ کے تیزاب سے دھلے الفاظ اسکے لئے نئے نہیں تھے۔ یقیناً وہ ثوبیہ کی برین واشنگ کر رہی تھی۔

''کیا صرف اسی بندے کے متعلق تمہیں ایسا گمان ہے یا کوئی اور بھی......'' ثوبیہ نجانے کیوں اپنا جملہ مکمل نہ کر پائی تھی۔

''گمان نہیں ہے یہ۔ امامہ نے خود قبولا تھا اپنا کارنامہ، دوسری بات یہ کہ اس کے بعد سے ہم نے اس سے تعلق ہی نہیں رکھا۔ تم نے اگر اسکے ساتھ کسی اور کو دیکھا ہو تو اور بات۔'' سائرہ زہر خندی سے بولی۔

''میں نے؟'' ثوبیہ کچھ چونکی تھی امامہ کو یقین تھا کہ اسے ارحم شیرازی کا خیال آیا ہوگا جو اسے رافعہ کی شادی میں ملا تھا۔ جو امامہ کو جانتا تھا۔

''مگر محض کسی کو اس کے ساتھ دیکھ لینے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اسی پر تہمت لگائیں۔ جانتی ہو مذہب اسلام میں ایسی تہمت یعنی قذف کی سزا اسی کوڑے ہیں۔'' وہ بینا سے مخاطب تھی۔

اور ایسے میں امامہ کو اس پر پیار آیا۔ وہ جو بظاہر بڑی بے فکری تھی اسکے لئے ان دونوں سے لڑ رہی تھی حالانکہ اس نے تو اسے ذیشان اور ارہم دونوں کے ساتھ دیکھا تھا۔

''تہمت نہیں ہے یہ۔ امامہ نے خود مجھے بتایا تھا۔'' سائرہ اب کے بگڑ گئی تھی۔

''امامہ نے تمہیں بتایا تھا ہمیں نہیں۔ اس لئے صرف تمہاری گواہی پر میں اسے بدکار نہیں مان سکتی۔ قذف لگانے کے لئے چار گواہ چاہئیں وہ بھی مرد۔ تو پھر تمہاری بات کیسے مانی جائے؟ سو پلیز بنا کسی ثبوت کے اس طرح ایک لڑکی کو بدنام مت کرو جو دوسروں کے عیب ڈھکتا ہے، خداوند تعالیٰ اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہے کہ وہ الستار العیوب ہے۔ مجھے امید ہے تم میری بات کو کنسیڈر کرو گی۔''

بڑی رسانیت سے ثوبیہ نے سائرہ کو لاجواب کر دیا تھا۔ تاہم بینا اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ امامہ نے بند پپوٹوں کی جھری سے انہیں دیکھا تھا جو انتہائی نفرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تمہارے دل میں اتنی گنجائش ہو گی ثوبیہ مگر میں ایسی بدکردار لڑکی کے ساتھ اپنا کوئی تعلق نہیں رکھ سکتی۔ پلیز میرے پاس آؤ تو اکیلی آنا۔'' بینا نے سختی اور ترشی سے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور پھر سائرہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بڑی حقارت سے امامہ کو دیکھا اور سر جھٹک گئی۔

ذیشان مسعود کے لفظوں کی برچھیاں ہی ابھی دل میں گڑی تھیں کہ بینا اور سائرہ کا ہتک آمیز رویہ اسکے اندر دراڑیں ڈال گیا۔ اس پر مستزاد ثوبیہ کی ہمدردی اور خدا ترسی۔ آنسو اسکی ہر کوشش کو رد کرتے مزاحمت کو ریزہ ریزہ کرتے بالآخر پلکوں کی باڑھ پھلانگ ہی آئے۔ ضبط کے باوجود سسکیاں اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی تھیں۔

''امامہ......اما...... پلیز یوں مت روؤ۔'' ثوبیہ برق کی سی تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ ''پلیز ایسے مت کرو۔ چپ ہو جاؤ'' اسکے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بہت مہربان لہجے میں مخاطب تھی۔

اسے ایسے لہجوں کی عادت نہیں تلخ ترش اور خشونت بھرے رویے ہمیشہ اسکے دوست اور دیرینہ آشنا رہے ہیں اس لئے اس لمحے اجنبیت کے دبیز احساس نے اسے ڈھک رکھا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بتاؤ اب کیسا فیل کر رہی ہو؟''

نرمی سے ہاتھ تھامے وہ نہ فلورنس نائٹ انگیل لگ رہی تھی نہ مدر ٹریسا۔ بس ایک بہترین اور خوبصورت انسان کی مکمل تشریح تھی وہ اسکے سامنے۔

''جیسا فیل کرنا چاہیے۔'' وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

کچھ گھنٹے پہلے جو اسکی کنڈیشن تھی اس نے بہت سی آنکھوں کا فوکس اسکے چہرے کی طرف فکس کر دیا تھا۔ اسے سب کا سامنا کرنا تھا مگر اس سے زیادہ مشکل اسے ثوبیہ کے سامنے نظر اٹھانے سے محسوس ہو رہی تھی۔

''یعنی کہ اب اچھی ہو۔'' وہ دوستانہ انداز میں مسکرائی۔

''اچھی تو نہ پہلے تھی نہ اب ہوں۔ ہاں مگر اچھے لوگ کیسے ہوتے ہیں اس کی تعریف پہلی بار سمجھ میں آئی ہے۔'' اسکا لہجہ بوجھل تھا۔ دل یکدم پھر سے بھر آیا۔

''پلیز اما! سائرہ کی باتوں کو دل سے مت لگانا۔ یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ اپنی آنکھ میں خواہ شہتیر کا جنگل ہی کیوں نہ اگا ہو انہیں دوسرے کا تنکا ضرور کھٹکتا ہے۔ پتا نہیں کیوں ہم اپنے کردار کی پاکی ثابت کرنے کے لئے دوسروں کے گناہ اچھالنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔'' دلداری سے کہتے ہوئے اس نے امامہ کو سینے سے لگالیا تو وہ مزید بے دم اور بے بس ہو گئی۔

گناہ گار کو کوئی پتھر مارے تکلیف نہیں ہوتی لیکن پھولوں سے اگر چھو بھی لیا جائے تو چیخیں نکل جاتی ہیں۔اسکی کیفیت اس وقت ایسی ہی ہو رہی تھی۔ضمیر کی چبھن جو سائرہ اور بینا کے رویئے پر جاگ نہ سکی، جو ذیشان مسعود کی درندگی پر اور نفس پرستی پر بیدار نہ ہوئی۔ثوبیہ کی محبت کے باعث اس چبھن نے اسکے پورے وجود پر پنجے گاڑ لئے تھے۔

''مگر جو کچھ انہوں نے کہا وہ سچ ہے ثوبیہ۔حرف بہ حرف سچ۔'' کچھ دیر بعد وہ جو اس سے علیحدہ ہوئی تو سچ کہنے پر مچل گئی۔اسکی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

وہ جو ڈیڑھ سال پہلے اپنی اسکول کی پرانی دوستوں کے سامنے سر اٹھا کر یہ کہہ چکی تھی کہ اگر میں ایسا کرتی بھی ہوں تو کیا ہوا، دنیا میں لوگ کیا نہیں کرتے۔میں نے تو نامحرم شخص سے ناطہ جوڑا ہے دنیا میں تو لوگ محرم رشتوں تک کا تقدس روند ڈالتے ہیں۔'' آج ثوبیہ کے سامنے سر جھکائے پشیمانی سے کہہ رہی تھی۔

ثوبیہ کے لئے یقیناً یہ ایک بہت بڑا جھٹکا تھا۔وہ کتنی دیر ساکت و صامت بیٹھی رہی۔حتیٰ کہ امامہ اپنی جگہ سے مایوس ہو کر اٹھنے لگی تھی کہ اچانک اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''مگر تم نے ایسا کیوں کیا امامہ۔تم جو اتنی لاجیکل ہو۔ذہین ہو اور سب سے بڑھ کر ایک اچھی فیملی سے بیلونگ کرتی ہو تم نے ...... تم نے ایسی راہ کیوں اپنائی؟''

وہ کتنی دلگیری سے پوچھ رہی تھی۔ابھی ابھی بڑے مان سے اس نے امامہ شاہ کا بھرم رکھا تھا مگر اس نے اس کی امیدوں کو خاک کر دیا تھا۔امامہ کا سر اور جھک گیا۔

اپنے والدین کی عزت و وقار اور اپنی عصمت و پاکیزگی سے کھیلتے ہوئے وہ ذرا شرمندہ نہ ہوئی تھی کیونکہ اس کے نزدیک والدین کے رویے اور لاپرواہی نے اسے اس امر پر اکسایا تھا۔اپنے دل کی نفرتوں کی شدت نے اسے اس راہ پر لگایا تھا مگر ثوبیہ...... ثوبیہ کا کیا قصور تھا؟

اس نے اسے بھی خود سے پشیمان کر ڈالا تھا۔

ایک لمحے کو دل چاہا کہ وہ اس کا بھرم نہ ٹوٹنے دے، اپنے لفظوں سے مکر جائے مگر سینے پر ایک بھاری بوجھ پڑا تھا اسے کسی کے کندھے پر تو لادنا ہی تھا۔ اس کے لئے اسے ثوبیہ سے بہتر کوئی نظر نہ آیا تو بے اختیار کہتی چلی گئی۔

''چوزے جب مرغی کے پروں سے باہر رہ جائیں ثوبیہ تو چیل یا بلی انہیں اپنا شکار بنا لیتے ہیں اسی طرح گھر کی چار دیواری کی محفوظ پناہ گاہ چھین لی جائے تو معصوم بچوں کا بھی وہی حشر ہوتا ہے جو میرا ہوا۔'' اس نے ہمت کر کے کہنا شروع کیا۔

''بی بی اور پاپا کی شادی کن حالات میں ہوئی میں نہیں جانتی تاہم شعور آنے تک یہ بات میرے، شہابہ اور ثاقب کے اندر Instill ہو چکی تھی کہ یہ محض مارے باندھے کا سمجھوتہ ہے ایک ایسی رسہ کشی ہے جس کے ایک فریق کو ضرور ہارنا ہے اور افسوس کی بات تو یہ تھی کہ اس رسی سے ہم تینوں بندھے تھے جسے ایک طرف سے پاپا تو دوسری جانب سے بی بی کھینچ رہی تھیں۔ نیوٹن کہتا ہے کہ ہر عمل کا ایک متضاد اور مساوی رد عمل ہوتا ہے۔ ان دونوں کی لڑائیاں مجھے بہت خوفزدہ کر دیتی تھیں، میں زور زور سے روتی تو بی بی مجھے شہابہ اور ثاقب کو اس کشیدہ ماحول سے دور کرنے کی خاطر بارہا گھر سے باہر نکال دیا کرتی تھیں۔ ثاقب لڑکا تھا دوستوں میں نکل جاتا ، جبکہ شہابہ بی بی کے حکم کے مطابق استانی جی کے گھر میں دبک کر بیٹھ جاتی اور اس وقت تک گھر سے نہ نکلتی جب تک کہ گھر سے اس کا بلاوا نہ آ جاتا۔ مجھے سخت گیر استانی جی بہت بری لگتی تھیں۔ قرآن پڑھاتے ہوئے وہ بچوں کو خوب مارا کرتیں، اس لیے شہابہ کے روکنے کے باوجود میں وہیں گلی میں ادھر ادھر اور کبھی محلے والوں کے گھروں میں بھٹکتی رہتی۔ گھر والوں کا یہ رویہ میرے اندر گھر ماحول اور رشتوں کی پیاس بڑھانے لگا۔ بی بی اور پاپا کی لڑائیاں ہی نہیں،

ان کی تو دوستی بھی ہمیں گھر بدر کرنے کی وجہ بنتی تھی۔ گھر بہت چھوٹا ہونے کے باعث جب کبھی انہیں تنہائی درکار ہوتی تو بھی بی بی بہانے بہانے سے ہمیں گھر سے باہر بھیج دیتی تھیں۔''

اسکی محرومیاں اسکے لہجے چہرے اور آنکھوں سے ہویدا تھیں۔

''جب پیاس حد سے بڑھنے لگے نا تو سراب انسان کو سفر در سفر صحرا در صحرا بھٹکاتا چلا جاتا ہے ثوبیہ!، ثاقب اور شہابہ تو نہیں مگر میں ایسے ہر سراب کو صحرا کا نخلستان سمجھ کر ضرور لپکتی حتیٰ کہ اپنا سب سے قیمتی اثاثہ اپنی دوشیزگی، اپنی عصمت گنوا بیٹھی۔ میں نے ذیشان مسعود کے وجود میں خود پناہ تلاش کرنی چاہی تھی لیکن اس وقت تک میں جانتی نہ تھی کہ سر پر رشتے کی چھت نہ ہو تو تعلق کی کمزور دیواریں زیادہ دیر سایہ نہیں دے سکتیں۔ سورج جب سر پر آ پہنچتا ہے تو اس کی تپش جسم و جاں کو جھلسانے لگتی ہے اور جب اس حقیقت سے تعارف ہوا تو اندازہ ہوا کہ میرے پاس تو بچانے کے لئے اب کچھ بھی نہیں بچا۔

اس کے آنسو رخساروں کو بھگو رہے تھے مگر وہ بولے جا رہی تھی۔

''ایسے میں بی بی اور پاپا کے لئے میرے دل میں نفرت مزید منہ زور ہوگئی اور جس دن یہ انکشاف میری رگ رگ میں محشر برپا کرنے لگا اس دن میں بنا سوچے سمجھے ہی گھر سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ یقین جانو خودکشی کا میرا ارادہ نہیں تھا لیکن میں اس وقت خود فراموشی کے عالم میں تھی اگر ارحم شیرازی وقت پر بریک نہ لگاتا تو آج......آج شاید میں یہ تذلیل سہنے کے لئے زندہ نہ ہوتی۔'' آنسو اسکے قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ جتنا اسکی آنکھیں رو رہی تھیں اس سے زیادہ دل آہ و فغاں کر رہا تھا۔

''مگر مجھے اپنے گناہوں کی سزا تو بھگتنی ہی تھی بہرحال ارحم شیرازی نے اس دن مجھے کلینک سے ڈریسنگ کرائی تھی۔ میں نے اپنی زندگی کے ان دو عشروں میں اتنے مردوں کو

دیکھا ہے ثوبیہ کہ تم انہیں انگلیوں پر گن بھی نہیں سکتیں۔ سیدھے سادھے، تیز طرار اور غریب امیر، ان پڑھ تعلیم یافتہ، بوڑھے جوان، کنوارے اور شادی شدہ، شاید سب ہی طرح کے مرد اور یہ میرا تجربہ ہے کہ مرد اور عورت کی تنہائی میں صرف شیطان ساتھی ہوتا ہے۔ پھر نفس کے گھوڑے پر سواری کرنے میں وہ ذرا تامل نہیں کرتے۔ میں جذباتی طور پر اس وقت سخت بکھری ہوئی تھی ارحم اگر چاہتا تو...... مگر اس نے مجھے بہت احترام سے دیکھا تھا اس کی نظروں میں جو تقدس تھا وہ میں پہلی بار محسوس کر رہی تھی۔ بہت اچھوتا سا احساس تھا وہ جو مجھ پر سحر بن کر طاری ہوا۔ اس وقت مجھے مرد ذات سے شدید نفرت اور بے زاری محسوس ہو رہی تھی مگر ارحم شیرازی نجانے کیوں سب سے جدا نظر آیا میرے زخم دیکھنے کے لئے اس نے میرا ہاتھ بھی تھاما تھا، سہارا دے کر گاڑی میں بھی بٹھایا تھا مگر اس کے کسی انداز میں وہ بھوک نہیں تھی جس کا سامنا کرتی میں آج اس حال کو پہنچی ہوں۔'' اس کے لہجے میں شاید درد سمٹ آیا تھا جبھی ثوبیہ کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی۔

''اس لمحے جب آپ کو مایوسی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا اپنے شکنجے میں جکڑ لے تو جانتی ہو ثوبیہ ایسے میں ایک چھوٹی سی کرن بھی سورج کا استعارہ لگنے لگتی ہے۔ نجانے کیسے ان چند گھڑیوں کے ساتھ نے مجھ پر ارحم شیرازی کی شخصیت کا ایسا گہرا تاثر چھوڑا کہ مجھے اپنے آپ سے وحشت ہونے لگی۔ گھر آ کر بھی کئی دن تک میری آنکھوں سے وہ منظر اوجھل نہ ہو پایا۔ خواہشیں اور خواب بالکل پارے کی طرح ہوتے ہیں ثوبیہ! اسے جتنا دباؤ یہ اتنے ہی حصوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ پارے کی ایک نرم سی بال چھوٹی چھوٹی نجانے کتنی گیندوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

میرے اندر بھی ارحم سے دوبارہ ملنے کی خواہش نے سر ابھارا جسے کچلنے کی کوشش میں

دھیرے دھیرے میں خوابوں کی اسیر ہوتی چلی گئی۔ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا سپنا میری پلکوں پہ گھر بنانے لگا۔ارحم شیرازی عکس در عکس میرے وجود کے آئینہ خانے میں اتر آیا تھا۔ میں اسے بھلا نہیں پا رہی تھی کہ ایسے میں اچانک وہ رافعہ کی شادی کے فنکشن میں نظر آ گیا۔"

"اس ملاقات نے میرے اندر کی حسرتوں کو کچھ اور بھی تند و تیز طوفانی لہروں میں تبدیل کر دیا۔ایسے میں اپنا ناپاک وجود مجھے خون کے آنسو رلانے لگا میں کسی بھی طور ارحم شیرازی جیسے انسان کے لائق نہیں ہوں یہ احساس ہی زہر آلود تیر کی طرح میرے احساس کے قالب میں پیوست ہوا تھا اور آہستہ آہستہ یہ زہر میرے پورے جسم میں پھیلنے لگا حتیٰ کہ دماغ تک جا پہنچا یوں میری سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مفلوج ہوتی چلی گئیں میں نے ایک بار پھر بے رحم درندے کے پنجوں میں اپنا وجود دے دیا۔خود کو اذیت دے کر میں لاشعوری طور پر اپنا بدلہ لے رہی تھی۔مگر یہ انتقام اس روز مجھے کسی ڈرگ کی طرح اردگرد سے غافل نہ کر سکا اور میرے اندر عدالت کھڑی ہوگئی میں نے ذیشان مسعود کو چھوڑ دیا۔لیکن آج وہ کہتا ہے کہ میرا ارحم شیرازی سے تعلق ہے۔اس لیے وہ مجھ پر تھوک کر گیا ہے۔بولو ثوبیہ اس میں کیا سارا قصور واقعی میرا ہے۔کیا میں ہوں ان سارے حالات کی ذمہ دار؟؟

اسکے پاس الفاظ کا ذخیرہ جیسے ختم ہو گیا تھا ثوبیہ کا گریبان پکڑتے ہوئے اس نے حواس یقیناً مختل ہونے لگے تھے۔مگر اس سے پہلے کہ بت بنی ثوبیہ کوئی جواب دیتی کرن نے اندر جھانکا۔

"ثوبیہ تم یہاں بیٹھی ہو، چھٹی ہوگئی ہے وین تمہارے انتظار میں کھڑی ہے۔جلدی چلو۔" کرن یقیناً صبح والے واقعہ سے لاعلم تھی۔جب ہی اندر آتے ہوئے اس نے امامہ کو مروت سے دیکھا تھا۔

''تم چلو میں آ رہی ہوں'' ثوبیہ کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے نکلی تھی۔ کرن سر ہلا کر فوراً مڑی تب اس نے امامہ کی جانب رخ پھیرا تھا۔

''کل کالج ضرور آنا پلیز، اسے میری ریکویسٹ سمجھ لینا۔'' ثوبیہ بہت سنجیدگی سے اس سے وعدہ لے رہی تھی۔ اس نے گردن کو میکانکی انداز میں ہلایا تو اس نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

واپسی کا سفر ہمیشہ تکلیف دہ ہوتا ہے آج وہ واقعی ''گھر'' واپس لوٹ رہی تھی۔ ساری توانائیاں محض قدم اٹھانے میں صرف ہو رہی تھیں، اور ذہن جیسے خالی سلیٹ بنا ہوا تھا۔ ایسے میں اپنے گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اسکا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ تیورا کر شہابہ کے بازوؤں میں جھول گئی۔

احساس اگر شیشہ بن جائے تو لمحہ پتھر بن کر لگتا ہے۔ اس دن کی اک اک گھڑی اک اک پل اسے چبھا چبھا کر گزرا تھا۔ آنسوؤں کے سوتے خشک ہو گئے تھے، مگر دل رو رو کر نہیں بھر رہا تھا اسکی اس کیفیت کا اندازہ صرف اسے ہو سکتا ہے جس نے احساس معصیت کے ساتھ گناہ کیا ہو، ایسا گناہ بے لذت ہوتا ہے محض ایک بوجھ کی طرح جو دل پر پڑ جاتا ہے اور پھر اسی بوجھ کو اٹھاتے اٹھاتے انسان ایک دن خود بھی ڈھے جاتا ہے۔

ذیشان مسعود جو چند دن پہلے تک اسکے لیے ایک **Emotional Crutch** تھا مگر آج اس کی یاد زندگی کی سب سے بڑی اذیت تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جلتے توے پر پہاڑ ہاتھوں میں اٹھائے کھڑی ہو۔ برباد ہو جانے کا اور کسی کے قابل نہ رہنے کا دکھ اسکی رگ رگ کو چھیل رہا تھا۔ ایسے میں دوسرے دن وہ اپنا بخار اور کمزوری بھلائے محض ثوبیہ سے ملنے کالج چلی آئی۔

ایسے بچے جو والدین کی محبت شفقت اوران کے دلاسے تسلیوں سے دور ہوتے ہیں ہر پیڑ کے نیچے چھاؤں تلاش کرتے ہیں اسکی حالت بھی ایسے مسافر جیسی تھی۔

ثوبیہ تک پہنچنے سے پہلے اسے کتنی ہی تحقیر بھری استہزائیہ اور نفرت آمیز نظروں کا سامنا کرنا پڑا، مگر وہ بے حس بن گئی تھی یا شاید بے حس تو وہ تھی ہی جب ہی اپنے اخلاقی قتل پر اس نے دو آنسو بھی نہ بہائے تھے۔ اگر ارحم شیرازی زندگی میں نہ آتا تو شاید بہانے کی فرصت بھی نہ ملتی اسے۔

''میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔'' اس پر نظر پڑتے ہی وہ بینا اور سائرہ کے پاس سے ہٹ آئی تھی۔ امامہ سر جھکا کر اس کے ساتھ ہولی۔ لان کی بینچ پر بیٹھتے ہوئے وہ ہانپنے لگی تھی۔

ثوبیہ نے اس لمحے ترحم آمیز نظروں سے امامہ شاہ کو دیکھا تھا۔

''جو کچھ تم نے کل کہا اس کا تو میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا امامہ۔'' اسکے خاموش رہنے پر بالآخر اس نے کہنا شروع کر دیا تھا۔

''جس الزام پر میں نے سائرہ کے اصرار کے باوجود یقین نہیں کیا تھا تمہارے کہنے کے بعد تو کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی۔ میں نے کہا تھا نا کہ ہمیں دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالنا چاہیے، مگر تمہارا گناہ ایسا عیب نہیں کیونکہ بدکاری کرتے ہوئے انسان اکیلا نہیں ہوتا دوسرا فریق بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ اور یہ فعل بد کسی نشے کی طرح انسان کو اپنا عادی بنا لیتا ہے۔''

''جس قوم میں بدکاری بڑھ جاتی ہے اس میں خون ریزی عام ہونے لگتی ہے۔ تم جیسے نجانے کتنے ہی لوگ اپنے کتھارسس کی آڑ میں اس دلدل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ جی تو چاہتا ہے تمہارے والدین کو خبر کر دوں تا کہ وہ تمہیں کنٹرول کر سکیں بجائے اس کے کہ اپنی جیسی

دوسری لڑکیوں کو تمہارا چٹخارے دار قصہ سناؤں مگر کل تمہاری آنکھوں میں، میں نے اپنے فعل پر شرمندگی کا احساس جھلکتا محسوس کیا ہے۔

اس لیے اس امید پر تمہیں تمہاری عدالت میں چھوڑے جا رہی ہوں کہ اگر تم میں اخلاق کی تھوڑی بہت بھی رمق باقی رہ گئی ہوگی تو تمہارا احساس ہی تمہیں سو کوڑے لگا دے گا ورنہ تو حدود آرڈیننس کا قانونی فیصلہ بھی تمہیں گناہوں کی وادیٔ پر خار سے واپس نہیں لا سکتا۔"

ثوبیہ کا بے لچک اور بے دھڑک لہجہ اسکی گردن کو مزید جھکا گیا تھا۔ یقیناً اسے بہت شدید رنج پہنچا تھا جب ہی وہ اب تک آزردہ ہو رہی تھی۔ امامہ نے اس کا فیصلہ سنا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ سب سننے کے لیے اس نے اتنا لمبا سفر کیا تھا۔

"پلیز امامہ ایک منٹ ٹھہرو۔" اسے آگے بڑھتا دیکھ کر ثوبیہ نے اسے روکا تو وہ سوالیہ سی اس کی طرف مڑی۔ ثوبیہ نے ہاتھ میں ایک کتاب پکڑ رکھی تھی جسے اس نے اسکی جانب بڑھایا۔

"اسے پڑھ لینا تمہیں میرا نقطۂ نظر یقیناً سمجھ میں آ جائے گا۔ اور پلیز ایک بات یاد رکھنا اللہ تعالیٰ ہم سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں، وہ ہم پر اتنا ہی بوجھ ڈالتے ہیں کہ ہم اٹھا سکیں پھر تم نے کیسے ہار مان لی۔ آزمائش انسانوں ہی کی لی جاتی ہے فرشتوں کی نہیں، زندگی سے جنگ لڑنے والی تم واحد ہستی نہیں ہو۔ دنیا میں ہر شخص کفر و ایمان کی یہ جنگ لڑ رہا ہے۔ خود تمہاری بہن شہابہ تمہارے جیسے حالات کا شکار ہے مگر اس نے تو یہ راہ اختیار نہیں کی۔" وہ اسکا کڑی نظروں سے محاسبہ کر رہی تھی۔

"تو یہ ثابت ہوا کہ طاقت نامساعد حالات میں نہیں کمزوری تمہارے اپنے نفس میں تھی جب ہی تم نے بے حیائی کی پاتال کو چھونے کی ہمت کی۔ عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے۔ سو پلیز یہ

عذر تراش کر خود کو مظلوم ثابت کرنا بند کرو۔ خود ترسی کی کیفیت مایوسی کو جنم دیتی ہے اور مایوسی کفر ہے۔ لہٰذا جس نے کفر سے تعلق جوڑا وہ گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا گیا اس کتاب کو لے جاؤ اور سکون سے پڑھنا۔ اللہ نے چاہا تو تمہارے لیے اسی سے سبیل نکال دے گا کیونکہ ام الکتاب سارے امراض کی دوا ہے۔ اللہ حافظ......''

اپنے ایمان پر اسے یقین تھا اور امامہ کے گناہوں پر افسوس، جسکے پاس اسے روکنے کے لیے الفاظ تھے نہ خواہش سو اس نے کتاب تھام کر اس سے آخری بار مصافحہ کیا اور گھر لوٹ آئی۔

دکھ رنج اور افسوس جیسے قطعی بے معنی الفاظ تھے اسکا غم تو اتنا بڑا تھا کہ اس کے لیے کوئی مثال بھی نہیں دے سکتی تھی۔ بہت رو چکی تھی وہ مگر پھر بھی دل تھا کہ پگھل پگھل کر آنسو بنے جا رہا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ رونا اسکا روزمرہ کا معمول بن گیا آنکھیں ہمہ وقت برستیں اور دل ہر لمحہ کٹ کٹ کر گرتا رہتا، پچھتاوا اور گزرے دنوں میں کیے گئے اس فعل بد کا رنج جیسے خون میں سرائیت کر گیا تھا۔

وہ بچپن سے ہی بی بی اور پاپا سے دور رہی تھی۔ حتیٰ کہ عام بچوں کی طرح اس نے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کی، کوئی خواہش ''ظاہر'' نہیں کی۔ ادھر سے بھی کبھی اس غیر معمولی رویے پر فکر کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ ان دونوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ آخر وہ ایسی کیوں ہے وہ بس ان کے لیے ''اچھی والی'' بیٹی تھی۔

خواہش اور ارمان کس کے دل میں پیدا نہیں ہوتے کوئی اظہار نہ کرے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سب چیزوں سے ماورا ہے بلکہ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یا تو وہ محض اپنی خواہشوں کو اندر ہی اندر گھونٹ رہا ہے یا پھر اس کے حصول کے لیے اس نے کوئی اور راہ نکال

رکھی ہے۔ اسکی ضرورت کا سامان اسے بچپن سے میسر تھا مگر وہ سب چیزیں وہ کہاں سے لاتی ہے، اس کے بارے میں کبھی پوچھ گچھ نہیں ہوئی چھوٹی تھی تو ربر پینسل اور کلر بکس تک بات محدود رہی پھر کپڑے جیولری اور کاسمیٹک کی باری آ گئی۔ بی بی کی آنکھیں جب بھی بند رہیں۔ حالانکہ اس نے تو ہمیشہ یہی سنا کہ جوان لڑکی کی ماں تو سوتے ہوئے بھی جاگتی رہتی ہے مگر یہاں ایسا نہیں تھا۔ غیر معمولی ماحول غیر معمولی شخصیت کو جنم دیتا ہے شاید اسی لیے اسکا انداز غیر معمولی اور غیر فطری ہو گیا تھا۔

گزرے دنوں کا اک اک پل اسے رلاتا تو وہ اپنے والدین کو الزام دینے لگتی، آخر انہوں نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اور جب دل بھر کر انہیں رو لیتی تو شہابہ کو دیکھ کر اپنا قصور یاد آتا کہ آخر خود اس نے ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ کیوں ان کے اعتماد اور اعتبار کی دھجیاں بکھر دیں۔

اسے اپنے وجود سے گھن آتی کراہیت محسوس ہوتی تو وہ کتنی کتنی دیر سجدہ میں گری رہتی حتیٰ کہ اسکے ہچکیاں بندھ جاتیں۔ شہابہ اور بی بی اپنے کاموں میں مگن رہتی تھیں، کبھی جھانک کر بھی نہ دیکھتیں کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اور ادھر وہ اپنا کتھارسس کر کر کے تھک جاتی۔ توبہ اور استغفار کرنے کے باوجود اسے لمحے بھر کا سکون نصیب نہ تھا؟

سچے دل سے توبہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے مگر اس کا ضمیر اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھا اسنے خود کو کسی کے قابل نہ چھوڑا تھا اور اسی نکتے پر اسکا دل اسکے خلاف تھا۔ سو اس دن وہ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں اپنی پستی اپنی شخصیت اور اپنی وجودی معصیت سمیت جھک گئی۔

دل کی عدالت کڑی سزا سنا رہی تھی اس نے سر بسجود ہو کر روتے ہوئے اپنے گناہوں کی

معافی مانگی، اس قعرِ مزلت میں گرنے کے بعد تو احساس ہی نہ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے کیسی آگ اپنے گرد دہکا رہی ہے۔ اس دن وہ بہت عرصے بعد بے قراری کچھ کم ہوئی تھی ایسے میں فائنل ایگزام کا خیال آیا تو وہ کتابیں نکال کر بیٹھ گئی۔

''اسلام میں زنا کی تعزیز۔'' نامی وہ کتابچہ اسے ثوبیہ نے دیا تھا اس دن کے بعد سے نہ تو وہ کالج گئی تھی نہ کتابیں اٹھائیں تھیں آج نظر پڑی تو اسکا وجود لرزیدہ ہو گیا۔ بہت بھاری دل سے اس نے کتاب کھولی تھی۔ ثوبیہ نے کچھ جگہوں پر **Book Mark** لگا رکھے تھے۔ کوئی نادیدہ قوت اسے ان صفحات پر نظریں دوڑانے پر مجبور کرنے لگی۔

''بدکاری کرنے والی عورت ہو یا بدکار مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملے میں تمہیں ان دونوں (میں سے کسی) پر بھی ترس نہیں کھانا چاہیے۔'' (سورۃ النور آیت نمبر 2)

زنا انتہائی قبیح فعل ہے اور ہر قوم نے اس کو ناپسند کیا ہے وجہ یہ ہے کہ فطرت انسانی اس سے نفرت کرتی ہے۔ اسی سبب سے انسانی تہذیب کے ہر دور میں اس کو بداخلاقی قرار دیا گیا۔ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ صرف زنا کی مذمت کی گئی ہے، بلکہ اسے ایک قابل سزا جرم قرار دیا گیا۔ کنوارے انسان کے زنا کی حد سو کوڑے اور زنا بعد احصان یعنی شادی شدہ انسان کے زنا کی سزا رجم (سنگسار) کرنا بتائی گئی ہے۔

اس آیت میں اس مضمون کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ جب جرم ثابت ہو گیا تو حد نافذ کرنے میں مجرم پر کوئی رحم نہیں کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر ہمدردی اور رحم کرنے والا کون ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ اللعالمین تھے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں ایسے جرم آئے تو آپ نے یہ حد نافذ فرما دی تھی۔

اسکے پورے وجود پر لرزہ طاری ہونے لگا تھا۔ اس نے اپنی منتشر قوتوں کو بمشکل جمع کر کے صفحہ پلٹا۔

''زانی مرد صرف زانی عورت یا شرک کرنے والی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور زنا کرنے والی عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد کے ساتھ نکاح کرے اور ایمان والوں کے لیے تو (زنا) حرام کر دیا گیا۔'' (سورۃ النور آیت نمبر 3)

اس آیت میں زنا جیسے گناہ کو شرک سے قریب کر دیا گیا ہے۔ یعنی ایسا زانی جس نے توبہ نہ کی ہو اس کے لیے زانیہ یا پھر مشرک کا شریک حیات بننا ہی مناسب ہے، اسی طرح غیر تائب زانیہ عورت بھی کسی مومن مرد کے لائق نہیں ہے۔ آیت کا مقصد یہی ہے کہ جو لوگ ان بداخلاقیوں میں ملوث ہوں ان کے حالات سے واقفیت بھی ہو پھر ان سے رشتہ کرنا درست نہیں۔ ایسے افراد اپنے ہی جیسے لوگوں سے تعلق نکاح قائم کریں یا پھر مشرکوں میں چلے جائیں جو سرے سے خدا پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا۔ قرآن میں اس کے لیے ''ظلمِ عظیم'' کے الفاظ آئے ہیں یعنی شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:۔

''یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف فرمادے۔'' (القرآن)

اس آیت سے شرک کا سب سے بڑا ناقابل معافی گناہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اب ایک طرف شریعت کے اس حکم کو سامنے رکھیں دوسری طرف سورۃ النور کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیں جس میں بتایا جا رہا ہے کہ زانی کا نکاح زانیہ یا مشرکہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے آپ باآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قانون اسلام میں زنا کس قدر قابل مذمت فعل ہے۔

آیت کا مقصد یہی ہے کہ معاشرے کے بدچلن افراد کی ہمت افزائی نہ ہو کہ وہ زنا جیسے قبیح فعل کے مرتکب بھی ہوں اور پھر بھی ان سے رشتہ کر دیا جائے۔ بدقسمتی سے آج کے معاشرے میں لوگ رشتہ کرتے وقت صرف دنیاوی برتری کے پہلوؤں کو اہمیت دیتے ہیں حالانکہ حدیث میں دین داری کو اولیت دی گئی ہے اور قرآن نے زنا کو شرک سے تشبیہہ دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس طرح شرک اعتقادی نجاست ہے اسی طرح زنا اخلاقی نجاست ہے اور نجس لوگوں کا تعلق پاک لوگوں سے نہیں ہونا چاہیے۔ شرک کرتے وقت انسان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے اور زنا کرتے ہوئے وہ اپنے شریکِ حیات کے حق میں دوسرے کو شریک کر لیتا ہے۔

''اف خدایا!......'' بے تحاشا خوف آمیز یاسیت اور تاسف اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ دہشت زدہ ہو کر اس نے کتاب تو بند کر دی مگر جو کھڑکی ذہن و دل میں کھل گئی تھی اسے بند کرنا اس کے اختیار میں نہ تھا۔

''یا الٰہ العالمین یہ میں کس رستے نکل آئی کہ کہیں منزل کا سراغ نہیں ملتا۔ آبلہ پائی نے میرے وجود کو شل کر ڈالا ہے۔'' وہ گھٹ رہی تھی مگر کوئی کندھا ایسا نہیں تھا کہ اس پر سر رکھ کر دل کا درد بہا سکے۔

اکیلے ہنسنا اور اکیلے رونا زندگی کی دہری اذیتیں ہیں جنہیں وہ سہہ رہی تھی سہتی رہی تھی اور شاید آگے بھی اکیلے ہی سب سہنا تھا۔ پچھتاوے اور احساس گناہ سے زیادہ جو چیز اسے خوفزدہ کر رہی تھی وہ کتاب الٰہی کا حکم تھا کہ یہ گناہ قابل تعزیر ہے یہ پڑھ کر اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی تھی۔

اپنی اور اپنے والدین کی عزت اور وقار کو خاک میں ملانے کی یہ مذموم جرأت بہت بڑا قبیح

فعل تھا جس کی سزا پکڑے جانے کی صورت میں اسے بھگتنی پڑ سکتی تھی۔ مگر اس میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں تھی وہ خود کو قانون کے حوالے کرے۔ اس طرح تو جو بات ڈھکی چھپی تھی طشت از بام ہو جاتی۔

وہ ایسا نہ کرنے کے لیے مجبور تھی مگر ذہن سوچنے سے معذور نہ تھا۔ سارا سارا دن اندر باہر جیسے ایک ہی جملہ بازگشت بنا رہتا کہ ''مجھے سو کوڑے لگنے چاہیں'' اور یہ بازگشت اتنی گونج دار تھی کہ اسکی پوری ہستی اس میں ڈوب جاتی۔

دن اور رات کی سوچ نے اسے بیمار کر ڈالا تھا وہ سارا سارا دن تکیے پر سر رکھے چھت کو تکا کرتی۔ زندگی میں تو اس نے پہلے بھی کبھی دلچسپی نہیں لی تھی اب تو بالکل ہی کنارہ کش ہو گئی تھی اس تنہائی کے باعث وہ چاہتے ہوئے بھی کوئی بات نہ بھلا پائی۔ ماضی اسکی آنکھوں کے سامنے رقص کرتا جو وہ بند اور کھلی دونوں آنکھوں سے دیکھتے رہنے پر مجبور تھی۔

اکثر راتوں کو وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھتی تو شہابہ کی نیند بھی خراب ہو جاتی۔ ایک کوڑیالے سانپ جیسا ہنٹر ہاتھ میں لیے بڑے بڑے دانتوں والا وہ ہیبت ناک جلاد اپنی لال لال آنکھوں سے روز اسے گھورتا تھا۔ وہ جاگتی تو پورا جسم پسینے میں بھیگ رہا ہوتا۔ نتیجتاً ایک ماہ میں ہی اسکی حالت دگرگوں ہو گئی۔ شہابہ کے لاکھ پوچھنے پر بھی وہ اسے ایک لفظ نہ بتا پاتی تھی۔ بتاتی بھی تو کیا زبان پر کانٹے سے اگ آئے تھے۔

مگر ایسا بھی کب تک چلتا اسے خود کو سنبھالنا ہی تھا اس روز وہ حسب معمول چھت کو تکتے ہوئے یہی سوچ رہی تھی جب شہابہ نے کمرے میں قدم رکھا۔ بستر کی چادر شکن آلود ہو رہی تھی اور اس سے بھی بدتر حلیہ تھا اسکا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے امامہ؟'' اسکے زرد چہرے اور گہرے حلقوں والی آنکھوں میں یقیناً

اسے مردنی دکھائی دے گئی تھی۔ جب ہی وہ اس کے پاس چلی آئی بہت تفکر تھا اس کے لہجے میں امامہ نے محض ایک نظر اسے دیکھا تھا مگر اس نظر میں سوز دروں عیاں تھا۔

''مجھے کیا ہونا ہے۔ بس ایگزام کی ٹینشن ہے۔'' وہ بادلنخواستہ اٹھ بیٹھی تھی۔ آج اسے شہابہ کی نظروں سے سخت وحشت ہو رہی تھی جیسے وہ کھنگال رہی ہوں اسے۔

''صرف ایگزام کی ٹینشن سے تمہارا یہ حال ہو گیا ہے امامہ!'' وہ بے یقین تھی۔

''کیوں؟ مجھے کیا ہوا ہے بھلی چنگی تو ہوں۔'' اس نے بدقت تمام خود کو نارمل پوز کرنے کی کوشش کی۔

''بہت بدل گئی ہو تم۔'' شہابہ گہری اور ٹٹولتی نظروں سے اسکا جائزہ لے رہی تھی۔ اسکے لبوں پر پھیکا سا تبسم پھیل گیا۔

''بدل تو تم بھی گئی ہو۔ پہلے تم اتنی کنسرن، نہیں ہوتی تھیں۔ آج کل بہت فکر جتا رہی ہو۔'' تلخی اسکے لہجے کا ازل سے اٹوٹ حصہ رہا ہے مگر آج اس نے قصداً اپنا پرانا رنگ اپنایا تھا اور یہ محسوس کر کے اسے بہت عجیب سا لگا کہ اب اس کے لہجے کی سختی اور ترشی میں وہ دم خم نہیں رہا تھا۔

جب زندہ آدمی کا ''اندر'' مر جاتا ہے تو وہ بہت خوش اخلاق اور شائستہ ہو جاتا ہے۔

''کنسرن تو تم بھی کبھی نہیں رہیں مگر آج کل گھر میں بہت رہنے لگی ہو۔'' شہابہ قدرے نادم ہو کر بولی تھی۔

وہ اس کی بڑی بہن تھی پورے پانچ سال بڑی۔ مگر اس نے کبھی بھی اسے کسی کام کے لیے منع نہیں کیا تھا۔ عجیب لاتعلقی کا مظہر تھا ان دونوں کا تعلق۔

شاید وہ بھی یہی سوچتی تھی کہ جب پاپا اور بی بی ہی صرف نگاہ کر رہے ہیں تو اسے اتنی پرواہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسکے گھر سے لاتعلق رہنے کی ایک وجہ شہابہ بھی تھی اس نے کبھی

بھی امامہ کو اپنے تجربوں کی روشنی میں زندگی کے داؤ پیچ سکھانے کی کوشش نہیں کی۔ اگر کی ہوتی تو شاید وہ بچ جاتی۔ وہ بھی اسکی مجرم تھی، کم از کم وہ تو ایسا ہی سمجھتی تھی۔

"گھر کے علاوہ اور کہاں جاؤں۔ کیا کوئی اور ٹھکانہ بھی ہے میرا؟ جانتی ہو شہابہ پھول اگر شاخوں سے توڑ کر گلدانوں میں سجا دیے جائیں تو وقت سے پہلے مرجھا جاتے ہیں۔ کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ میری شخصیت بھی Fade ہو گئی ہے۔"

سنگھار میز کے قد آدم آئینے میں اسکا مضمحل وجود کچھ اور بھی پژمردہ نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں فلسفے سے اتنی دلچسپی تھی تو انٹر میں Logic کو آپشنل سبجیکٹ کیوں نہیں رکھا تم نے امامہ کم از کم فلاسفی میں پوسٹ گریجویشن تو کر سکتی تھیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ تمہاری اکثر باتیں میرے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔"

جاننے کی خواہش ہو تو انسان زمین شق کر کے بھی اپنے مطلب کا علم حاصل کر سکتا ہے مگر جب جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے تو سامنے کی چیز بھی اوجھل معلوم ہوتی ہے۔

شہابہ نے اسکی ہمت کو ایک بار پھر توڑ دیا تھا۔ شاید اس لمحے وہ خود کو اس پر آشکار کر جاتی مگر اُس کا اس طرح بے حسی کا مظاہرہ کرنا امامہ کو دوبارہ خول میں بند کر گیا۔

"تم اگر محسوس کرنے کی کوشش کرتیں تو شاید دل پر سے گزرتیں یہ باتیں۔ اینی وے مجھے پڑھنا ہے پلیز مجھے ڈسٹرب نہ کرو تو اچھا ہے۔"

بے بسی اور شدید اشتعال کے باعث امامہ کا انداز بہت روکھا اور کھردرا ہو گیا تھا۔ جس پر شہابہ کچھ خفیف سی ہو گئی تبھی فوراً چلی گئی تھی۔

کتابیں انسان کے لیے کتنا بڑا اسہارا بن سکتی ہیں اسے اب پتا چلا تھا۔ وہ اِن میں کچھ یوں گم ہوئی کہ شہابہ کی منگنی طے ہو جانے کی اور ذیشان مسعود کے محلّہ چھوڑ جانے کی خبریں بھی

اسے خود فراموشی کے حصار سے باہر نہ لاسکیں۔

''تو گویا زندگی کا یہ باب بھی ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔'' اس نے گہری سانس بھر کر لمحہ بھر کے لیے آنکھیں موند لیں تو چھم سے آنکھوں میں شناسا چہرہ اتر آیا۔ وہ چہرا جو اسے اب بھی بہت آس سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ مگر اسکے خواب اسکے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔

''واقعی یہ سچ ہے کہ میرے لیے ارحم شیرازی اور اس کی ذات سے جڑے ہر خواب کو بھلانا ناممکن ہے۔'' اس نے خود سے اعتراف کیا تو دو گرم گرم آنسو اس کے رخساروں کو جلاتے ہوئے بہہ گئے۔

احساس گناہ اور احساس زیاں نے مل کر اسے بالکل ادھ موا کر دیا تو اس نے پھر سے کتابوں میں پناہ لی، مگر کوڑیالے سانپ ایسا کوڑا لیے اس ہیبت ناک جلاد کا تصور اسکے ذہن کے ہر کونے میں نقش جما چکا تھا۔ جس طرح ارحم شیرازی نے دل پر قبضہ کر رکھا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی کے امتحان بھی جاری تھے تاہم فائنل ایگزامز سے وہ فارغ ہو چکی تھی اور یہ فراغت اسے اور بھی اذیت دینے لگی وہ کئی ماہ سے گھر میں مقیم تھی اور یہ سزا اس نے خود اپنے لیے منتخب کی تھی، مگر جب گھٹن اسکی برداشت سے بڑھ گئی تو اس نے گھبرا کر ثوبیہ کو فون کر لیا۔ اسی ثوبیہ کو جس نے اسے دھتکار دیا تھا۔

''امامہ تم! کیسی ہو؟'' حیرت سے وہ کتنی ہی دیر بول نہ سکی تھی۔

''میں واپسی کا سفر کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تم راستے کی نشاندہی کر سکتی ہو۔'' اس نے چھوٹتے ہی بے تاثر لہجے میں اس سے پوچھا تو وہ جیسے سوچ میں پڑ گئی۔

''جاب کرلو ایک نئی زندگی شروع کرو......''

''جاب؟......کیسی جاب......''

''آج کل ٹیچنگ کے لیے پیپر میں ایڈ آ رہے ہیں۔تم چاہو تو کسی اسکول میں اپلائی کردو۔اگلے مہینے میرا تفسیر قرآن کا کورس مکمل ہو جائے گا،اس کے بعد ان شاءاللہ میں بھی کسی اسکول کو جوائن کروں گی۔''باوجود کوشش کے وہ امامہ سے دامن چھڑا نہ سکی تھی۔اپنے فطری حلیم انداز میں بولی تو وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

''کیا میں کسی کو پڑھانے کے لائق ہوں؟''اسکے اندر یاسیت اترنے لگی تھی۔

''جنہیں وقت سکھاتا ہے وہ بہترین معلم ثابت ہو سکتے ہیں۔تم نے جو سیکھا ہے اس کا نچوڑ کسی دوسری امامہ کو گڑھے میں گرنے سے بچا سکتا ہے اما!۔کیا تم کفارہ ادا نہیں کرنا چاہو گی۔''وہ پوچھ رہی تھی امامہ نے گہری سانس لی۔

''خود کو ایک موقع دے کر دیکھو اما۔''

''کیسے کروں یہ سب،سمجھ میں نہیں آتا۔''اس کے انداز میں بے بسی تھی۔

ثوبیہ کو یک دم اس پر ترس آیا۔

''تم کسی جگہ اپلائی کر کے دیکھو،یقیناً رسپانس آئے گا۔پہلا قدم تم اٹھاؤ،آگے کا راستہ اللہ تعالٰی بنائیں گے۔''

ثوبیہ نے ملائمت سے کہا تو اس نے جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔

تاہم ثوبیہ کا مشورہ اسکے دل کو لگا تھا۔اسی شام اس نے پاپا کے سامنے اس کا اظہار بھی کر دیا۔

''میں ٹیچنگ کے لیے اپلائی کرنا چاہتی ہوں۔''

پتا نہیں کتنے مہینوں بعد وہ پاپا سے مخاطب تھی۔ وہ کچھ چونکے تھے پھر اسے گہری نظر سے دیکھنے کے بعد انہوں نے سر ہلا دیا۔

''اچھا ہے باہر نکلو گی تو زندگی گزارنے کا چلن سیکھ سکو گی۔''

''وہ تو میں نے سیکھ لیا پاپا۔ اسی کے داغ تو مٹانا چاہتی ہوں۔'' ان کے رعونت بھرے لہجے پر اس نے تلخی سے سوچ کر سر جھٹکا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ اگلے دن سے ہی اخبار اسکے کمرے میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ بالآخر ایک ویکنسی پر اسکی نظریں جم گئیں۔

گرلز اسکول میں اردو ٹیچر کی جاب تھی اس نے پہلی فرصت میں اپلائی کیا۔ اگلی صبح بہت روشن لگ رہی تھی شاید یہ اس کے سوچنے کا ڈھنگ تھا۔ یا پھر نئے راستے پر قدم رکھنے کی خوشی۔

اور یہ خوشی اس وقت طمانیت میں ڈھل گئی جب تین دن کی ضروری کارروائی اور ٹرائل کے بعد اسے سلیکٹ کر لیا گیا اس رات بہت دن بعد وہ گہری نیند سو سکی تھی۔

اسکا تقرر پرنسپل نے کیا تھا۔ مسز حلیمہ کو اس میں بہت سی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوتی نظر آئیں تھیں۔ لہٰذا کچھ مہینے تک اس نے اطمینان سے کام کیا۔ مگر پتا نہیں زندگی کے شجر پر سکون نامی طائر کا قیام اتنا مختصر کیوں ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کی موجودگی کو پوری طرح محسوس بھی نہ کر پاتی اور وہ اڑان بھر لیتا ہے۔

مسز حلیمہ کسی نجی مجبوری کے تحت اگلے چھ ماہ کے لیے چھٹیوں پر جا رہی تھیں۔ اور ان کی جگہ اسکول کے اونر نے ایک دو دن میں یہاں کی ذمے داریاں سنبھال لینی تھیں۔

''امامہ آپ؟...... کہاں کھو گئی تھیں آپ؟......''

اسٹاف روم سے نکل کر وہ پرنسپل آفس کی طرف جا رہی تھی، جب بہت شناسا سا آواز حیرت میں ڈوبی سنائی دی۔ اس نے بے اختیار مڑ کر پکارنے والے کو دیکھا تھا۔

جس کے لہجے میں کسی گم گشتہ جنت کو دوبارہ پالینے کی خوشی تھی۔

''ارحم شیرازی!'' اسکی بصارتیں اور حسیات آج پھر باغی ہوگئیں اس نے پلکیں جھپکانی چاہیں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔

''میں نے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا آپ کو اتنے دن سرگرداں رہا اور آپ ملیں بھی تو کہاں۔ میرے اپنے اسکول میں۔'' حیرت خوشی اور بھٹک کر منزل پر پہنچ جانے کے احساس نے ارحم کو سرشار کررکھا تھا۔

اس کے لہجے نے تو اسے کب کا اسیر کیا ہوا تھا آج اس کی جادو کرتی آنکھیں بھی اپنا طلسم چلانے لگیں۔ اسکے سامنے ارحم شیرازی کی شخصیت ایک ایسا دروازہ بن کر آ کھڑی ہوئی تھی جسے وہ کوئی بھی اسم پڑھ کر کھول نہیں سکتی تھی۔

''پلیز مجھے راستہ دیں۔ جانا ہے مجھے۔'' کمزوری اس پر غالب آنے لگی تھی اس نے بمشکل خود کو سنبھال کر تیکھے پن سے کہا تو وہ جیسے کسی خواب سے چونکا۔

''کیا آپ کو مجھ سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔''

''یونہی سمجھ لیں۔'' اس نے خشک انداز اپنا کر اپنی راہ لینی چاہی مگر اس کی بے یقینی سے تکتی نظریں اسکے چہرے پر آجمیں۔

''کیا واقعی؟'' وہ بڑی دلیری سے اسکی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

میری پلکوں کو مت دیکھو

ان کا اٹھنا ان کا جھپکنا

جسم کا نا محسوس عمل ہے

میری آنکھوں کو مت دیکھو

ان کی اوٹ میں شامیں غریباں

ان کی آڑ میں دشت ازل ہے

میرے چہرے کو مت دیکھو

اس میں کوئی وعدہ فردا

اس میں کوئی آج نہ کل ہے

اب اس دریا تک مت آؤ

جس کی لہریں ٹوٹ چکی ہیں

اس سینے سے لو نہ لگاؤ

جس کی نبضیں چھوٹ چکی ہیں

اس نے بمشکل اپنے ریزہ ریزہ ہوتے وجود کو سنبھالا اور وہاں سے جیسے بھاگ آئی اسٹاف روم میں پہنچ کر وہ بری طرح ہانپنے لگی تھی۔ فرار وہ ارحم شیرازی سے نہیں خود سے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اپنی سوچوں سے حاصل کرنا چاہتی تھی اپنے احساس گناہ سے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس میں وہ صد فیصد ناکام تھی جب ہی دوسرے دن ارحم کے بلاوے پر وہ اس کے آفس میں اس کے مقابل بیٹھی خود سے جنگ لڑ رہی تھی۔

''کیسی ہیں آپ۔'' نجانے کتنے لمحے گزر گئے وہ خاموشی سے اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اس وقت باوجود اپنی ہزار ہا کوششوں کے اسکے چہرے کا رنگ اسکے دل کی خواہش کے آہنگ ہو گیا تھا۔

''جیسی بھی ہوں آپ کے سامنے ہوں۔''

اسے معلوم تھا کہ جب وہ بولنے لگتی ہے تو دھیرے دھیرے اپنا اعتماد بحال کرنے میں

کامیابی حاصل کر لیتی ہے اسی لیے جواب دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔

''میں اپنی تقدیر کا شکر گزار ہوں اس حسن اتفاق پر۔'' وہ اسکے جواب پر کھل کے مسکرایا تھا۔

زندگی بعض لوگوں کو کتنی خوب صورت مسکراہٹ عطا کرتی ہے وہ بے خیالی میں اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی جب ہی وہ معنی خیزی سے کھنکھارا۔

''میرا نہیں پوچھیں گی کہ کیسا ہوں؟'' دلچسپی سے دریافت کیا گیا۔

''کیسے ہیں آپ......'' انداز میکانکی تھا وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''بالکل ویسا جیسا آپ چھوڑ کر گئی تھیں۔نو چینج ایٹ آل۔'' وہ بہت سرشار لگ رہا تھا۔

خوشگوار لہجے میں برجستہ جواب دیا۔

''گویا بہت مستقل مزاج ہیں آپ۔'' اپنا حوصلہ بحال رکھنے کے لیے وہ بول رہی تھی۔

''so I am، کیا آپ نہیں؟'' اب کے وہ میز پر جھک آیا تھا۔

''زندگی مستقل مزاج کے لوگوں کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کرتی بہتر ہے کہ آپ اپنے اندر Flexibility پیدا کریں۔ایسا کرنے سے سمجھوتہ کرنا سہل ہو جاتا ہے۔سمجھوتے میں مان لینے کا Element نہ ہو تو زندگی گھسیٹنی پڑتی ہے۔''

ارحم کی پوری ہستی سے چھلکتے جذبوں کے جواب میں اسکے پاس وہی گھسی پٹی مدقوق فلاسفی تھی۔جس کا ڈوز اسے دیتے ہوئے اس نے آہنی لہجے میں کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔اس نے ناگواری سے نظر پھیر لی ہنستے چہرے اسکی بصارت کو چبھتے تھے۔

''آپ ہنستی نہیں مس امامہ۔ ہنسا کریں۔ ہنسنے سے انسان کے غم آدھے رہ جاتے ہیں۔'' اسکے پتھریلے چہرے پر اس نے کچھ کھوج کر کہا تھا۔

''آدھے تو پھر بھی بچ جاتے ہیں نا، لہٰذا جب غموں سے لڑنا ہی ٹھہرا تو آدھے پورے سے

کیا ہوتا ہے۔ آپ بھی اس نہج پہ سوچئے گا۔ مجھے فی الحال کچھ کام ہے پلیز ایکسکیوزمی۔“

وہ زیادہ دیر اس کے آگے ٹک نہیں سکتی تھی۔ اس لیے اپنے دل کی شدید مزاحمت کو نظر انداز کرتی وہاں سے اٹھ آئی اور ارحم شیرازی جو جواباً اسے حسین وعدے کی ریشمی زنجیر میں قید کرنا چاہتا تھا ششدر سا رہ گیا تھا۔

اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ پتھر ہو جانے کا خوف اسے تیز قدم اٹھانے پر اکسا رہا تھا تیز اور تیز بہت تیز۔

☆......☆......☆

وہ کم فہم تھی نہ کج ادا مگر بعض اوقات انسان خود کو ویسا ظاہر کرنے لگتا ہے جیسا وہ نہیں ہوتا۔ ارحم شیرازی جیسی فسوں خیز شخصیت کے سامنے اپنا بھرم رکھنے میں اسے اتنی ہی دشواری پیش آ رہی تھی جتنی کہ اپنے جذبوں پر بند باندھنے میں۔

وہ ارحم کے سامنے آنے سے حتی المقدور بچتی تھی۔ مگر کہاں تک۔ اسکول کے تمام معاملات اب ارحم ہی سنبھال رہا تھا، لہٰذا ہر کام کے لیے لامحالہ اس سے رابطہ کرنا پڑتا تھا۔

ان ہی دنوں اسکول کی کوآرڈینیٹر صبا کے ایکسیڈنٹ کے باعث اس کی غیر حاضری نے امامہ کی کوششوں کو اور بھی مشکل بنا ڈالا۔ اس کے صبح کے دو پیریڈز لگاتار فری ہوتے تھے لہٰذا صبا کے فرائض از خود اس کے ذمے آ گئے۔ اور اس وجہ سے اسے ارحم کے ساتھ مستقل رابطے میں رہنا پڑتا تھا۔ جتنا وہ اسے نظر انداز کرنا چاہتی تھی، فاصلے بڑھانا چاہتی تھی اتنا ہی وہ اس کے نزدیک آتا جا رہا تھا۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ قصداً اس کے گرد دائرہ تنگ کر رہا ہو۔

اس روز اسکول میں ٹیچرز ٹریننگ کے سلسلے میں ایک ورکشاپ کا انعقاد ہو رہا تھا۔ صبا نے اسے فون پر سمجھا دیا تھا کہ اس کو کب اور کیا کرنا ہے مگر درحقیقت وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

”ریلیکس اما! میں ہوں نا آپ کے ساتھ، ہم دونوں مل کر سب کچھ اچھی طرح مینج کر لیں گے، آپ دیکھیے گا آج کا ورک شاپ بہت کامیاب رہے گا۔“

ارحم کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں، امامہ کے دل میں جیسے دھکڑ پکڑ شروع ہونے لگی تو وہاں سے ہٹ آئی۔

واپسی پر اسے کافی دیر ہوگئی تھی، وہ بیگ سنبھال کر باہر نکل رہی تھی کہ سامنے سے آتے ارحم کو دیکھ کر قصداً نظرانداز کر گئی مگر وہ اس کے پاس آرکا تھا۔

”آج وائینڈ اپ کافی لیٹ ہوگیا، آپ کو گھر پہنچتے پہنچتے بہت دیر ہو جائے گی، آپ میرے ساتھ چلیے امامہ میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔“

”آپ مجھے چھوڑ دیں ارحم صاحب، یہی بہتر ہے۔“ ارحم کا سلجھا ہوا پروقار انداز امامہ کو سخت بات کہنے سے کبھی کبھی روک دیتا تھا مگر اس وقت وہ نجانے کیسے کہہ گئی۔

کچھ تھا اس کے انداز میں، ارحم نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا تھا۔

”مجھے ایسا کیوں لگتا ہے اما! کہ جیسے آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“

”اما نہیں امامہ منظر نام ہے میرا ارحم صاحب، رہ گئی بات ناراضگی کی، تو آپ کے اور میرے درمیان ایسا کوئی تعلق نہیں کہ میں آپ سے ناراض رہوں۔“

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخی سے بولی۔

”تو گویا راضی ہیں آپ مجھ سے۔“ ایک لمحے کو ارحم کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا مگر اگلے ہی سیکنڈ وہ مسکرا کر برجستگی سے بولا تو امامہ لب بھینچ کر بمشکل اپنا غصہ برداشت کرتے ہوئے اس کی سائیڈ سے نکلتی چلی گئی تھی۔

تاہم اس واقعے نے اسے یہ ضرور باور کرا دیا تھا کہ ارحم شیرازی آسانی سے اس کی راہ

چھوڑنے والا نہیں وہ ہر راستے پر اسے اپنا منتظر ملے گا۔

اور پھر ہر گزرتے دن نے یہ ثابت بھی کیا۔ اس کا منفی، بے زاری کا اظہار کرتا رویہ بھی ارحم کے انداز میں تبدیلی نہیں لا سکا۔ دوسری جانب اس کا اپنا دل تھا جو اس کے کہنے میں اب رہا نہیں تھا۔

اس روز صبح ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں، ہلکی ہلکی حرارت اسے کل رات سے تھی مگر آج پیرنٹس میٹنگ کی وجہ سے اس کا جانا ضروری تھا۔ لہٰذا ہمت کر کے ناشتے کے ساتھ دوا بھی اس نے لے لی تھی مگر اسکول پہنچتے پہنچتے طبیعت مزید خراب ہو گئی۔

بمشکل دو گھنٹے اس نے بچوں کے والدین کے ساتھ میٹنگز بھگتائیں اور پھر بیگ کندھے پر ڈال کر گھر جانے کے ارادے سے صبا کے آفس چلی آئی۔

''کہاں چلیں، خیریت تو ہے۔'' صبا نے اسے پر تولتا دیکھا تو پوچھا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں صبا، سر میں شدید درد ہے اور شاید بخار بھی ہو رہا ہے مجھے۔'' اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں جن سے اب پانی بھی بہہ رہا تھا۔

''اوہو! شاید نہیں، تمھیں تو واقعی تیز بخار ہے، تمھیں آج آنا ہی نہیں چاہیے تھا، بہر حال اب فوراً گھر جاؤ۔'' صبا نے اس کا ہاتھ تھاما تو بے اختیار بولی اور پھر مستعدی سے اسے ساتھ لے کر باہر چلی آئی۔

''تم دو منٹ یہاں رکو میں ارحم سر کو بتا کر ابھی آتی ہوں۔''

اسے ارحم کے آفس کے باہر چھوڑ کر وہ اندر چلی گئی تو وہ سامنے رکھے صوفے پر جا بیٹھی۔

ذرا دیر بعد صبا کی بجائے ارحم باہر نکلا تھا، وہ بڑی بے تابی سے اس کی جانب بڑھا۔

''کیا ہوا ہے اما! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو آپ کو آج آنا نہیں چاہیے تھا۔'' وہ

فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''اٹس او کے، اب اتنی بھی بیمار نہیں ہوں میں۔'' ارحم کی پریشانی پر وہ تلخی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
''آئینہ دیکھا ہے آپ نے، چہرے سے ہی پتا لگ رہا ہے کہ کتنی طبیعت خراب ہے آپ کی، اینی وے، اب اٹھیے، میں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔'' جواباً ارحم کچھ سختی سے بولا تو اس نے تیکھے پن سے اسے دیکھا تھا۔
''آپ کو اس زحمت میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں خود چلی جاؤں گی۔''
ہٹ دھرمی سے کہتی وہ صوفے سے اٹھی تھی کہ یکدم چکر سا آیا اور وہ لڑکھڑا گئی۔
ارحم نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا تھا نہیں تو وہ گر بھی سکتی تھی اور پھر اس کے سنبھلتے ہی فوراً چھوڑ بھی دیا۔
''ہر بات میں ضد اچھی نہیں ہوتی امامہ!، آپ چلیں میرے ساتھ۔'' اب کے ارحم کا انداز دوٹوک تھا۔
اس کی طبیعت واقعی ایسی ہو رہی تھی کہ وہ چاہ کر بھی مزید تکرار نہیں کر سکی اور بادلِ نخواستہ اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔
ذرا دیر بعد وہ اسے لیے ایک مہنگے کلینک میں داخل ہو رہا تھا۔
''یہاں کیوں لائے ہیں آپ مجھے، میرے گھر کے پاس والا کلینک ہی صحیح ہے، پلیز مجھے وہاں چھوڑ دیں۔''
سارے راستے وہ شدید سر درد کے باعث آنکھیں موندے بیٹھی رہی تھی، اس لیے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کہاں لے آیا ہے۔ اب کلینک میں داخل ہوئی تو پتا چلا۔ اسے علم تھا کہ اس وقت

والٹ میں زیادہ پیسے نہیں ہیں۔ جب سے جاب شروع کی تھی بی بی اور پاپا نے اسے جیب خرچ دینا چھوڑ دیا تھا۔اور اس نے مانگا بھی نہیں۔

اس کی ضرورتیں ہمیشہ ادھر ادھر سے پوری ہو جایا کرتی تھیں، بی بی اور پاپا نے جب نہیں پوچھ گچھ کی تو اب کیا کرتے، اب تو وہ واقعی ''جائز'' ذریعے سے حاصل کر رہی تھی۔ مہینے کا اختتام تھا اس لیے اب والٹ میں چند سو روپوں سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔

''یہاں کا ڈاکٹر میرا بہت اچھا فرینڈ ہے، میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں، اس کا ڈائیگنوز بہت اچھا ہے، آپ کو ضرور شفا ہو گی۔'' جواباً ارحم رسانیت سے بولا تھا۔

''اور جو نہ ہوئی تو؟۔ یوں بھی میں اس ڈاکٹر کو افورڈ نہیں کر سکتی۔'' یکدم وہ تلملا کر کہتی پلٹ گئی تو ارحم کو بھی لامحالہ اس کے پیچھے آنا پڑا۔

امامہ تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل رہی تھی کہ اچانک وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے نزدیک آیا اور اس کا بازو تھام کر اسے مزید آگے قدم بڑھانے سے روک دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے رکی تھی۔

''اسٹاپ اٹ ارحم! جسٹ لیومی الون۔'' اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر کچھ ایسے غصے سے کہا کہ ایک سیکنڈ کے لیے ارحم بھی تھم سا گیا۔

''سمجھتے کیا ہیں آپ خود کو؟ میں آپ کی امپلائی ہوں، کوئی زر خرید نہیں کہ آپ اپنی مرضی مجھ پر مسلط کریں۔''

''آپ میرے لیے کیا ہیں امامہ یہ لفظوں میں بتانا ضروری نہیں، کیا آپ نگاہوں کی زبان نہیں سمجھتیں، یا جان بوجھ کر اگنور کرتی ہیں مجھے؟''

''عقل کیا نام کو بھی نہیں ہے آپ میں؟ میرے رویے سے سمجھ نہیں آتا آپ کو کہ میں آپ کو ناپسند کرتی ہوں سخت ناپسند۔'' وہ اس وقت موم میں ڈھلی کوئی چٹان تھی جیسے۔

”تو پھر آپ ہی بتائیے آپ کے رویے کو جانچوں یا آپ کی آنکھیں پڑھوں؟“

یکدم ارحم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ اس طرح استفسار کیا کہ امامہ منظر کے دل کی دھڑکن لمحے بھر کے لیے رک سی گئی۔

”جن میں صاف صاف لکھا نظر آتا ہے کہ......“

”کچھ نہیں لکھا ان آنکھوں میں کچھ نہیں، سمجھ آئی آپ کو، چلے جائیں میری زندگی سے چھوڑ دیں مجھے، چھوڑ دیں۔“ اس کی بات کاٹ کر وہ حتمیت سے بولی تھی اور پھر غصے سے اسے دیکھتی کلینک سے نکلتی چلی گئی۔

ارحم ایک بار پھر بے بسی سے اسے جاتا دیکھتا رہ گیا تھا۔ جس کی آنکھیں اپنی ہی ستم ظریفی پر دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔ اسے لگا جیسے امامہ کی پلکوں پر ٹکی نمی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں، ارحم کو مایوس کرنے کے دکھ پر بہہ نکلی تھی۔

”تمہیں کیا سمجھوں اما!“

☆......☆......☆

نجانے کیوں انسان پوری دنیا سے لڑ کر بھی خود سے ہار جاتا ہے اور یہ پسپائی اتنی جانکسل اور اذیت ناک ہوتی ہے کہ شکست خوردگی کا احساس ریشے ریشے میں بھرنے لگتا ہے۔ فصیلیں کمزور ہوں تو پے در پے یلغاریں دراڑ پیدا کرنے لگتی ہیں۔ اپنے دل کے گرد اسکا کھنچا ہوا حصار بالکل ریشہ عنکبوت ثابت ہو رہا تھا۔ بہت دشوار ہوتا ہے لب فرات تشنہ کھڑے رہنا سو اس نے یہی طے کیا کہ کہیں اور جاب کر لینی چاہیے۔

مگر مشکل یہ تھی کہ وہ ایک ماہ پہلے نوٹس دیے بغیر جاب چھوڑ نہیں سکتی تھی یا پھر اپنی جگہ کوئی متبادل مہیا کرنا پڑتا۔ پچھلے دنوں قید تنہائی نے اس سے سارے حوالے چھین لیے تھے۔ کالج

کی کسی بھی دوست سے برائے نام تعلق تک نہ رہا تھا۔ رہ گئی ثوبیہ تو آج کل وہ تفسیر قرآن کی کلاسز لے رہی تھی۔ یوں بھی اس نے اپنا سیل نمبر بھی بدل دیا تھا۔

درحقیقت وہ خود بھی تو کسی سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ پرانی سم موبائل سے نکالی تو اس کے ساتھ پرانے سارے رابطے بھی زندگی سے نکل گئے۔

سو خود سے لڑتے جھگڑتے اس نے ریزائن کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ نوٹس دیتے ہوئے وہ جتنی پرسکون نظر آرہی تھی اس سے کہیں زیادہ انتشار اسکے اندر پھیلا ہوا تھا۔ صبا نے قاعدے کے تحت اسے ڈائریکٹ ارحم کے پاس بھیجنا چاہا۔ اس نے مزاحمت کی مگر یہاں بھی اسکی نہیں سنی گئی اور اب وہ ناچار اس شخص کے سامنے کھڑی تھی جس کے مقابل اسکی آنکھیں جھکنے لگتی تھیں۔ وہ اپنی ہی مجرم کم نہ تھی کہ اب قدرت نے اسے اس کے دل کو توڑنے کا بھی وسیلہ بنا دیا تھا جذبات اور استدلال کی جنگ میں پہلی بار اس نے دل سے استدلال کا ساتھ دیا تھا۔

''ریزائن کی وجہ!''

وہ پوچھ رہا تھا اور وہ جو اس وقت بے نیازی کا مظاہرہ کرتی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی ایک لمحے کے لیے اس کے گہرے لہجے اور بھاری آواز کے سحر میں جکڑ گئی۔

''آپ!'' کہنا تو نہیں چاہتی تھی، مگر از خود لبوں سے یہ لفظ نکل گیا تھا۔

یقیناً ارحم اس جواب کے لیے تیار نہیں تھا اسی لیے ایک لمحے کو متحیر سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

''واٹ! میں؟ مگر میں نے کیا کیا ہے؟'' اس نے بڑی سادگی سے دریافت کیا تھا اور ایسے میں امامہ نے خود سے اعتراف کیا کہ زندگی میں پہلی بار اسے الفاظ تلاشنے کی ضرورت محسوس ہوئی مگر کچھ تو کہنا ہی تھا۔

''آپ نے پچھلے ایک ماہ میں مجھے اس جاب سے ایگزاسٹ کر دیا ہے۔ مجھے ڈسٹرب

کیا۔ آپ بہتر جانتے ہیں کہ آپ نے کیا کیا ہے۔ اس لیے میں آپ کا زیادہ وقت ضائع نہیں کروں گی۔ صرف اتنا کہنا ہے کہ مجھے یہاں سے جانا ہے۔''

لہجے میں ہٹ دھرمی کا عنصر پیدا کرنے کی شعوری کوشش بہت کامیاب رہی تھی۔ ارحم نے لب بھینچ کر بہت سنجیدہ نظریں اُس پر جمائی تھیں۔ جن میں کچھ شکوے اور کچھ جذبے تھے۔ چند ثانیے بعد اس نے یکدم خود کو ڈھیلا چھوڑ کر سیٹ کی پشت سے سر ٹیک دیا۔

''او کے مس امامہ منظر۔ میں آپ کی خواہش کا احترام کروں گا تاہم مجھے بھی آپ کا وقت ضائع کیے بغیر ایک بات کہنی ہے۔''

''نو پلیز جب میں نے آپ کو سنا ہے تو آپ بھی سنیے۔''

وہ جانتی تھی کہ وہ کیا کہے گا اس لیے کچھ بولنا چاہتی تھی کہ ارحم نے نرم لفظوں مگر سخت انداز میں اسے ٹوک دیا۔ وہ لب بھینچتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تھوڑے کو بہت جانیئے گا امامہ۔ مجھے آپ اچھی لگتی ہیں اینڈ آئی وانٹ ٹو میری یو۔ ول یو بی ایگری Will You Be Agree۔''

''نو ناٹ ایٹ آل۔'' جتنی روانی سے اس نے سوال کیا تھا اس سے کہیں تیزی سے اس نے انکار کر ڈالا۔ ایک لمحے کو جیسے مقابل کی آنکھیں دھواں دھواں ہو گئیں۔

''بٹ وائے امامہ، آخر کیوں۔'' ارحم کا کربناک لہجہ جیسے اسکے دل کو کھرچنے لگا مگر اس نے بھی اپنے اندر ایک فیصلہ کر رکھا تھا۔ خود کو سزا دینے اور اسے سزا سے بچانے کے لیے یہ فیصلہ کرنا ضروری تھا۔

''میں جوابدہی کی پابند نہیں۔ آپ نے مجھے پرپوز کیا یہ آپ کا حق تھا۔ میں نے ریجیکٹ کر دیا، یہ میرا حق ہے۔ جب میں نے آپ سے پرپوز کرنے کی وجہ نہیں پوچھی تو، پھر آپ کو

بھی ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ ڈیٹس اٹ، ہوپ فلی ہم آئندہ اس موضوع پر کبھی بات نہیں کریں گے۔"

"گویا ہم آئندہ بھی ملیں گے۔"

ارحم برجستہ گو اور حاضر دماغ تھا جبکہ اسکی تو جیسی ساری صلاحیتیں آج کل Hybernation Period سے گزر رہی تھیں۔ سو جھٹکے سے مڑ کر اس نے تیزی سے اس کے کمرے سے باہر آنے میں عافیت جانی۔

دروازہ خواہ کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو دستک کی آواز تو اندر تک آتی ہی ہے اور جو یہ دستک لگاتار ہوتی رہے تو لامحالہ دل اور کان اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں۔ اسکے انکار کے در پر ارحم کے اصرار کی دستک بڑھتی جا رہی تھی اور ادھر اسکی ظاہرداری کی بے نیازی۔

اسکے جذبوں کا استحصال ذیشان مسعود نے کیا تھا جسکا خسارہ وہ ارحم شیرازی کے نام نہیں لکھ سکتی تھی۔ وہ گناہگار تھی ایسی گناہگار جسے انسان کبھی سزا دیے بغیر معاف نہیں کرتا انسان بھی وہ کہ ایک مرد۔

اس نے کہیں پڑھا تھا، مرد کی محبت تو یوں بھی پرزہ پرزہ جوڑ کر بنائی ہوئی مشین کی طرح ہوتی ہے اعتبار کا پرزہ بیٹھ گیا تو مشین بھی رک جاتی ہے۔ پڑے پڑے اسے زنگ لگ جاتا ہے جبکہ عورت کی محبت جیسے تانا بانا بن کر بنایا ہوا کپڑا۔ ایک تار کھینچ کر نکل بھی جائے تو بھی کپڑے کی مجموعی شکل میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

جن آنکھوں میں آج آپ کے لیے محبت ستائش اور احترام ہو کل اس میں نفرت، حقارت اور بے حرمتی دیکھنا کسی کے بھی بس کا روگ نہیں۔ سو اس نے وہ تیس دن جیسے عالم برزخ میں گزارے۔ ہر لمحہ اسکے دل پر پاؤں رکھ کر گزارا تھا حتیٰ کہ نوٹس کے دن پورے ہو گئے۔

وہ منظر سے غائب ہو کر پھر سے قید تنہائی کی آغوش میں آ گئی تھی۔ مگر ارحم شیرازی بھی اپنی ضد کا پکا تھا۔ جب ہی اسکے در تک سوالی بن کر چلا آیا۔ اس کی جرأت امامہ کو ششدر کر گئی تھی۔ خاص طور پر گھر والوں کا اس رشتے میں دلچسپی لینا اسکی سانسیں اکھیڑنے لگا۔ آج کل شہابہ کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں ثاقب بھی سکھر سے آیا ہوا تھا۔

وہ حسب عادت و معمول ہر شے سے کنارہ کش تھی کہ ارحم نے سارا ردھم بکھیر دیا۔ اس کی عمر کی لڑکیاں ایسے وقت میں خوشی سے لال گلال ہو جاتی ہیں مگر وقت اور حالات نے اسے Forced Maturation کی شکل دے ڈالی تھی۔ وہ مزید کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے جب بی بی نے بتایا کہ پاپا اور ثاقب ضروری معلومات کر کے مطمئن ہو گئے ہیں اور ہاں کرنے والے ہیں تو اس نے دھماکہ کر دیا۔

''پاپا میں یہ شادی نہیں کروں گی۔'' صوفے کی پشت مضبوطی سے تھام کر بالآخر اس نے براہ راست انہیں مخاطب کر لیا تھا اور وہ جو کئی سالوں کے بعد گھر میں دلچسپی لیتے محسوس ہوئے تھے، حیرت سے اسے تکنے لگے۔

''وجہ؟'' بی بی نے چیخ کر سوال کیا تھا۔

''کوئی وجہ نہیں۔'' اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

''تو پھر بلا جواز انکار ماننے کی ہمیں بھی ضرورت نہیں۔ تم جاؤ جا کر اپنے مہمانوں کی لسٹ تیار کرو۔'' پاپا کے لہجے میں یکا یک شعلے بھڑک اٹھے تھے۔

''میں نے کہا نا پاپا کہ۔''

''امامہ حد سے مت گزرو جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو۔'' ثاقب بھی وہیں چلا آیا وہ ثاقب جسے ہمیشہ بابا سے نفرت محسوس ہوئی تھی آج ان کا حامی بنا ہوا تھا۔

”ہاں جانتی ہوں۔اپنی زندگی کا فیصلہ کررہی ہوں اور یہ حق۔“

”یہ حق تمہارا نہیں ہمارا ہے۔تمہاری شادی کس سے ہوگی اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔“ پاپا نے انکار مسترد کر کے رعونت سے سے کہا تو وہ تلملا گئی۔

”مگر میں آپ کو یہ حق ہرگز نہیں دوگی۔“ اس کا لہجہ بہت تلخ اور آواز بلند تھی پاپا کا ہاتھ یکلخت اٹھا اور اس کے رخسار پر نشان بناتا چلا گیا۔

ایک لمحے کو تو زمین و آسمان آنکھوں تلے گھوم گئے۔وہ بری طرح لڑکھڑائی بھی مگر اس کا فیصلہ ہنوز حتمی تھا۔پاپا نے انتہائی طیش سے گھورا۔

”لے جاؤ اسے ثاقب یہاں سے نہیں تو میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔“

”بس بھی کریں۔جوان اولاد ہے۔“ بی بی نے دبے لہجے میں کہا مگر ان کی سنی کب جاتی تھی۔

”آپ میرے ٹکڑے ٹکڑے کریں یا ہڈیوں سے گوشت جدا میں اپنے فیصلے سے ہٹنے والی نہیں۔“ بپھر کر اس کا غصہ بھی دوگنا ہو گیا تھا۔

”شٹ اپ۔تم حد سے گزر رہی ہو۔“ ثاقب کی غیرت کو بھی جوش آیا تھا اس کے لیے اتنے محاذوں پر لڑنا مشکل تھا۔شہابہ اسے گھسیٹ کر لے جانے لگی۔

”حد سے تو میں گزر جاؤں گی اگر میرے ساتھ جبر کیا گیا۔“ جاتے جاتے وہ چیخ رہی تھی۔ کچھ تھا اس کے انداز میں کہ بی بی ثاقب اور پاپا دیکھتے ہی رہ گئے۔

کمرے میں آکر شہابہ نے اسے نصیحتیں کرنے کی کوشش کی تو اس نے منہ پھیر لیا۔جس وقت اس کے سمجھانے کی ضرورت تھی اس وقت تو وہ خود میں مگن رہتی تھی اور اب جبکہ امامہ نے گر کر سنبھلنا سیکھ لیا تھا وہ ہاتھ بڑھا رہی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ گھر میں ایک سرد جنگ چھڑ گئی۔ترازو کا ایک پلڑا نیچے جائے گا تو دوسرا لازما

اوپر اٹھے گا۔ پاپا کا جبر اور تشدد اس کے انکار کو فولاد بنائے جا رہا تھا۔ اس نے گھر والوں سے قدرے مایوس ہو کر ارحم کو فون کیا تو مطالبہ سن کر وہ ششدر سا رہ گیا۔

نجانے کیوں اسے لگا تھا کہ پرپوزل بھیجنے کے بعد امامہ اس کے لیے دل میں گنجائش نکال لے گی۔ ممکن ہے وہ اس کے اظہار محبت کو محض فلرٹ سمجھتی ہو۔

''پلیز امامہ۔ ڈونٹ ڈو دس ٹو می، ہم دونوں مل کر ایک خوبصورت گھر بنا سکتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں نرمی محبت اور التجا تھی۔ لہجے بدل گئے تھے مفہوم اور مطالبہ وہی تھا وہ چیخ سی گئی۔

''مگر مجھے ایسا کوئی گھر بنانا ہی نہیں جس میں آپ اور میں رہیں۔''

''آخر کیوں ایسا کیوں چاہتی ہو تم۔''

''بس میری مرضی۔ آپ انکار کر دیں۔'' اس کی ہٹ دھرمی عروج پر تھی۔

''اور جو میں نہ کروں تو۔''

''کیوں نہیں کریں گے؟'' وہ سر تا پیر جھلس گئی۔

''بس میری مرضی۔'' غصیلے لہجے میں کہہ کر اس نے ریسیور پٹخ دیا تھا۔

اس کے بعد اس کا بس کمزور چیزوں پر ہی چل سکتا تھا۔ چند منٹوں میں اس نے پورا کمرہ اجاڑ دیا نتیجتاً پاپا نے اسے کمرے میں بند کر دیا۔ بی بی اور شہابہ اس دوران سہمی سہمی سی رہنے لگی تھیں۔ وہ سارا دن کمرے میں چیختی چلاتی رہتی حتیٰ کہ پاپا نے ارحم کے گھر والوں کو تاریخ طے کرنے کے لیے انوائیٹ کر لیا۔ والدین تو اس کے حیات نہیں تھے، صرف دو شادی شدہ بھائی تھے سب الگ رہتے تھے وہی مل کر آ گئے۔ پاپا نے دروازہ کھول کر اسے خون آشام نظروں سے گھور کر ہدایت دی تھی۔

''انسان بن کر رہنا نہیں تو چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔'' پورے پندرہ دن بعد بالآخر

کمرے سے باہر آنے کی اجازت ملی تھی۔ شہابہ نے سبز کامدار جوڑا بھی پہنایا۔ مگر اس کے تیور ہنوز وہی تھے۔ اس نے دل میں کچھ اور ٹھان رکھا تھا۔ سو جونہی ارحم کے گھر والے آئے وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس سے پہلے کہ وہ ان سب کو دھکے دے کر گھر سے نکالنے کے اپنے پلان پر عمل درآمد کرتی بی بی برق رفتاری سے آ کر اس کے پیروں میں بیٹھ گئیں۔ اس کے سفید و سرخ پیروں پر ان کے ہاتھ دھرے تھے۔

''نہ میری بیٹی نہ، تجھے میرے سر کی قسم ہے تو ایسا کچھ نہیں کرے گی ورنہ میں تجھے دودھ نہیں بخشوں گی۔'' زار و قطار بلکتے ہوئے وہ کہہ اٹھی تھیں۔

انہوں نے کیا کہا سماعتیں کچھ جذب نہ کر سکیں۔ اس کے تو جیسے حواس ہی منجمد ہو گئے تھے پیروں پر دو انگارے سلگتے محسوس ہوئے تھے وہ تڑپ کر نیچے جھکی اور بی بی کے دونوں ہاتھوں کو پیروں سے اٹھا کر لبوں سے لگا لیے۔

''پلیز ایسا مت کریں بی بی پلیز۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کمزور پڑ گئی تھی۔

''نہ میری گڑیا۔ یوں ہماری عزت نیلام نہ کر بچی۔ تو تو میری اچھی والی بیٹی ہے نا۔'' انہوں نے یک بیک اسے سینے سے بھینچ لیا۔

پتا نہیں کتنے دنوں بعد اس نے ان کا لمس محسوس کیا تھا۔ وہ گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ جلتے توے پر پانی کا ایک قطرہ گرے تو بھاپ بن کر اڑ جاتا۔ بی بی کی صدیوں بعد جاگی محبت اسکے دل سے بھاپ بن کر اٹھنے لگی تو اس نے خود کو ان سے علیحدہ کر لیا۔

وہ اسے اپنی اس عزت کا واسطہ دے رہی تھیں جسے وہ بہت پہلے نیلام کر چکی تھی شرم نے اسکے ہونٹ جیسے سی ڈالے۔ اسکی آنکھیں جل رہی تھیں بی بی کے جڑے ہوئے ہاتھوں نے بالآخر اسکے لبوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اسکا تماشا بنوایا جارہا تھا اور وہ چپ تھی۔ زندگی میں انسان اگر ایک فیصلہ غلط کر لے تو پھر وقت اس سے فیصلہ کرنے کا اختیار چھین لیتا ہے سو وہ بھی ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

اس نے اپنے والدین کے علم میں لائے بغیر ان کے ساتھ بہت برا کیا تھا۔ جھگڑے کس گھر میں نہیں ہوتے ایسے ہزاروں لوگ ہیں جو اس سے زیادہ گھٹے ہوئے ماحول میں رہتے ہیں اور شریفانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، اسکی طرح ہر کوئی چور راستہ تو تلاش نہیں کرتا۔ اس کی مثال شہابہ بھی تھی سو انصاف کی عدالت میں اسکے ضمیر نے جو فیصلہ سنایا وہ اسنے قبول کر لیا۔

اسکی شدید مزاحمت کی وجہ سے بابا نے قریب کی تاریخ دے دی تھی ادھر ارحم شیرازی کی بھی یہی کیفیت تھی لہٰذا ایک ماہ کے اندر اندر مسز ارحم کی حیثیت سے شیرازی ہاؤس کی مکین بنا دی گئی۔

اپنے والدین کی طرف جو اسکی ذمہ داری بنتی تھی وہ اس نے نبھائی مگر آگے وہ کوئی سمجھوتہ کرنے والی نہیں تھی۔ یہی سوچ اس وقت اور بھی حاوی ہوگئی جب ارحم نے اندر قدم دھرا۔

''جوڑے واقعی آسمان پر بنتے ہیں اس بات کا یقین تمہیں یہاں اپنے کمرے میں دیکھ کر ہو رہا ہے اما بلیومی آج میں بہت خوش ہوں۔'' وہ جذبوں اور پالینے کے خمار سے سرشار اسکے پاس آبیٹھا تھا۔ امامہ نے دانستہ رخ موڑ لیا۔

''یہ لو اما تمہاری منہ دکھائی۔'' نجانے کتنی حکایتیں کہنے کے بعد اس نے اسکے ہاتھ میں کچھ پہنانا چاہا تھا کہ اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا وہ منہ دکھانے کے لائق تھی نہیں۔ ضبط کا جو بند اس نے بہت دنوں سے باندھا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔

''لیومی الون ارحم شیرازی مجھے تمہاری محبت اسیر نہ کر سکی تو یہ مادی چیزیں کیا حیثیت رکھتی

ہیں۔" زہر خند لہجے میں کہہ کر اس نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر تیزی سے مڑ کر میں واش روم میں بند ہو گئی۔

آئینہ اسکے حسن کی مدح سرائی کر رہا تھا۔ مگر اسے اپنے وجود سے گھن آ رہی تھی۔ بے بسی اور دکھ کے شدید تر احساس سے اسکی آنکھیں جل تھل ہو گئیں۔ ارحم شیرازی اسے بن مانگے مل گیا تھا مگر ملنے سے من کا ملن نہیں ہوتا۔

سادے سے کاٹن کے سوٹ میں جب وہ باہر نکلی تو وہ سامنے صوفے پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ پیشانی پر پڑی شکنیں ایک ساعت کو اسکا دل دھڑ کا گئیں مگر دوسرے ہی پل ضمیر نے ایک شدید ضرب اسکے احساس پر لگائی تو تناؤ چہرے پر آن رکا۔

"یہ سب کیا ہے اما؟"

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اس نے ٹونر چہرے پر پھیلاتے ہوئے اسے سنا تو پلکیں بھیگنے لگیں۔ بمشکل خود کو سنبھالا۔

"وہی جو میں تمہیں پہلے ہی سمجھانا چاہتی تھی ارحم شیرازی مجھے تمہارا ساتھ گوارا تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ بس یہی حقیقت ہے۔" اسکے لہجے میں محسوس کی جانی والی سختی تھی۔

"مگر اس کی وجہ کیا ہے کیا تم مجھے اپنے لائق نہیں سمجھتیں یا کسی اور......"

"شٹ اپ!......" یکدم وہ دھاڑی تھی۔ (قابل تو میں تمہارے نہیں ارحم شیرازی)

"میرے دل میں جھانکنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے کسی دریچے پر تمہارا نام نہیں لکھا۔ تم نے مجھے پانا تھا پا لیا۔ اب اپنی فتح کا جشن مناؤ مگر یاد رکھنا، میں سمجھوتہ ہرگز نہیں کروں گی۔" اسکا آہنی انداز حتمیت سے بھرپور تھا۔

اور اس سے پہلے کہ اسکا دل ارحم شیرازی کی آنکھوں میں کروٹ لیتے درد پر رو اٹھتا اس

نے کمبل میں منہ چھپالیا۔مگر خود سے منہ نہ چھپا سکی۔ پوری رات وہ اپنے ہی آنسوؤں میں جلی تھی۔نتیجتاً اس کی خود ساختہ سزا جگر سوختہ کرنے لگی۔

صبح وصال پوچھ رہی ہے عجب سوال

وہ پاس آ گیا کہ بہت دور ہو گیا

صبح جاگنے پر خود کو ارحم کے کمرے میں پانا اسے ایک ناگفتہ بہ احساس میں جکڑ گیا۔

اس نے اپنی بائیں جانب نگاہ کی، ارحم کمرے میں نہیں تھا۔البتہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا سرخ گلابوں کا گلدستہ اس بات کا گواہ تھا کہ یا تو وہ اس سے پہلے جاگ چکا ہے یا شاید سویا ہی نہیں۔

''اف میرے اللہ۔کیا کروں۔''

احساس جرم نے اس کی پلکیں بھگو دیں۔وہ اٹھ بیٹھی تھی بے خیالی میں گلدستہ اٹھا کر اسے لبوں سے لگالیا۔نازک پھولوں کی نرماہٹیں اس کے اندر تازگی بھر گئیں۔

''صبح بخیر مسز ارحم۔'' وہ فریش ہو کر واش روم سے نکلی تو آنکھوں میں محبت کا ایک جہاں بسائے ارحم اس کا منتظر تھا۔اس کے طرز تخاطب نے امامہ کے دل چھوا۔ارحم کی زندگی کا حصہ بننا کبھی اس کے لیے ایک خواب تھا جو آج سچا ہو گیا تھا مگر وہ پھر بھی کس قدر رنجیدہ تھی۔

''تمھارے ساتھ نہ اب کوئی صبح بخیر ہو گی نہ رات۔'' وہ بڑی بے رحمی سے ارحم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ گئی تھی۔

ارحم کا چہرہ اس کی بات پر پھیکا پڑ گیا۔

''مگر میری تو اب ہر صبح تمھارے دم سے ہے امامہ شیرازی اور ہر رات بھی،تم میری زندگی کا حاصل ہو۔''اس کے بے رحم انداز کے باوجود ارحم کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔اس کے

نزدیک آ کر وہ بہت محبت سے بولا تھا، لہجے میں نرمی اور اعتماد تھا۔ امامہ کے دل کو کچھ ہوا تھا، وہ بے اختیار رخ موڑ گئی تھی۔

''تم ناحق پتھر سے سر ٹکرا رہے ہو ارحم، چھوڑ دو یہ کوشش۔''

''ادھر آ اے دلبر! ہنر آزمائیں
تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں''

ارحم کے شعر پڑھنے کا انداز بہت خوبصورت تھا، جسے وہ بمشکل نظر انداز کر سکی۔

''میرے ترکش میں ہزار تیر ہیں ارحم اور تمھارے پاس محض ایک جگر، کب تک مقابلہ کرو گے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں کہتی اس کے مقابل آ رکی تھی۔

''جب تک جان سلامت۔'' ادھر بھی اعتماد کی کمی نہیں تھی۔

''تو ٹھیک ہے پھر، یہ بھی کر دیکھو، مگر یاد رہے، تم کسی کے سینے میں دل نہیں ڈال سکتے ارحم شیرازی۔''

وہ کس قدر سفاک تھی۔

''دل ہے تمھارے پاس امامہ شیرازی، بس اسے دھڑکنا سکھانا ہے۔ اور یہ میں کر کے رہوں گا۔''

اس کی مصنوعی سفاکی کے مقابلے میں ارحم کے پاس اعتماد تھا۔ وہ زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی اور اس کے پاس سے ہٹ آئی۔

آج ناشتہ اس کے میکے سے آیا تھا۔ بی بی کو دیکھ کر اس کے دل سے جیسے دھواں اٹھا تھا۔

''کیسی ہے میری بیٹی۔'' انہوں نے اسے گلے سے لگایا تو اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ بی بی کے جڑے ہاتھوں کی وجہ سے ہی تو وہ آج یہاں موجود تھی۔

''اچھی ہوں۔'' اس نے پست لہجے میں کہا تھا۔

''صرف اچھی نہیں بی بی! آپ کی بیٹی بہت اچھی ہے، اس کے آنے سے میرے سونے گھر میں بہار آ گئی ہے۔'' اس کے بدصورت رویے کے باوجود ارحم کے انداز میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی تھی۔

اس نے دیکھا وہ اس کے میکے والوں کے ساتھ بہت احترام سے پیش آ رہا تھا۔

شام کو ولیمہ تھا۔ وہ لائیٹ اور ڈارک گرین کنٹراسٹ کے گاؤن میں قیامت ڈھا رہی تھی۔ ارحم اسے پارلر سے لینے آیا تو لمحے بھر کے لیے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''میڈم اچھی لگ رہی ہیں نا سر!'' بیوٹیشن نے ارحم کی خیرہ ہوتی نگاہوں کو بھانپ کر داد چاہی تو امامہ نے ارحم کو بلا ارادہ دیکھا تھا۔

''محض اچھی لگ نہیں رہیں، آپ کی میڈم تو ہیں ہی بہترین۔''

ارحم کا جملہ اسے لمحے بھر میں زمین پر پٹخ گیا تھا۔

''صحیح کہا سر آپ نے۔ ویسے آپ دونوں کا کپل بہت زبردست ہے سر!۔''

بیوٹیشن کی توصیف کے جواب میں ارحم خوشدلی سے ہنس پڑا تھا۔

ولیمے کی تقریب اچھی رہی۔ سب مہمان خوش ہو کر گئے تھے مگر وہ جسے خوش ہونا چاہیے تھا وہ اپنی جگہ بہت اداس تھی۔ اور ارحم کے خوشی سے کھلتے چہرے کو دیکھ کر حیران بھی۔

وہ اسے پا کر بھی نہ پا سکا تھا مگر کس قدر مطمئن تھا۔

جبکہ امامہ کے دل کو لمحہ بھر سکون نصیب نہیں ہو رہا تھا۔

''اما تم یہاں ہو سونا نہیں ہے کیا؟''

ارحم اسے کمرے میں نہ پا کر تلاش کرتا ٹیرس پر آیا تو اسے خاموشی سے خلاؤں میں دیکھتا پایا۔

"نیند میری آنکھوں سے اڑ چکی ہے ارحم!۔تم جاؤ، جا کر سو جاؤ۔"
وہ اس کی طرف پلٹ کر بولی تو لہجے میں تھکن تھی۔
"مگر تم......"
"میری فکر چھوڑ دو ارحم، تم مجھے اپنے نکاح میں لانا چاہتے تھے تو لو دیکھ لو میں ہوں تمھارے نکاح میں، تمھارے اس گھر میں، بی بی نے اپنے بندھے ہاتھوں کا واسطہ دے کر تمھارے گھر بھیجا ہے اور میں آ بھی گئی ہوں مگر اس سے زیادہ کی امید مت رکھنا۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے امامہ نے قطع کلامی کر کے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ وہ چند سیکنڈز کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا۔
"ایسے حیرت سے مت دیکھو میری طرف ارحم! میں اس شادی پر راضی نہیں تھی یہ بتا دیا تھا میں نے تمھیں، اب تم مجھے موردالزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ میں نے تمھارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔"
دو چٹکیوں میں فرش کو چھوتے گاؤن کو پکڑ کر ذرا سا اونچا کرتے ہوئے وہ سبک لہجے میں کہتی اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔ اور کل رات کی طرح آج بھی ارحم لب بستہ رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

دن آہستہ آہستہ اپنی روٹین پر واپس آ رہے تھے۔ وہ دونوں روز ہی کسی نہ کسی کے یہاں مدعو ہوتے۔ ارحم کا حلقہ احباب کافی بڑا تھا، لہٰذا انہیں روز ہی گھر سے نکلنا ہوتا تھا۔ اس مصروفیت میں دن کافی تیزی سے گزر رہے تھے۔
منزل پر پہنچ کر خود کو بھٹکانا اس قدر اذیت ناک ہوگا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ہمہ وقت اس کا دل عدالت لگائے رکھتا۔ دوسری طرف ارحم شیرازی کی مستقل مزاجی تھی وہ اپنی محبت کا ہر داؤ پیچ اس پر آزما رہا تھا۔

اس روز وہ ناردن ایریاز کے ٹوئر کے ٹکٹس لے کر آیا تو امامہ خود کو تلخ ہونے سے نہ بچا سکی۔
''میں نہیں جاؤں گی ارحم۔''
''مگر کیوں، یہ ہماری میریڈ لائف کا گولڈن پیریڈ ہے اما!۔''
''ہماری اس سو کالڈ میریڈ لائف میں کچھ بھی نارمل نہیں ارحم! تم اس مری ہوئی زندگی کے جسم کو آکسیجن ماسک لگا کر آخر کتنے دن رکھو گے؟ یہ مر چکی ہے۔

there is nothing between you and me

یہ بات تم کیوں نہیں سمجھ جاتے۔''
سنگدلی سے کہتی وہ ارحم کو کوئی پتھر سے بنا مجسمہ لگی جسے کسی نے جادو کے زور سے بولنا سکھا دیا تھا۔
''تمھارے میرے بیچ محبت کا بندھن ہے اما! اور محبت کبھی نہیں مرتی۔'' ارحم پہلے دن کی طرح آج بھی پر اعتماد تھا۔
''بندھن کوئی اور چیز ہے ارحم، میرے خیال میں تو ہمارے درمیان محض رسہ کشی ہے۔''
''پھر مجھے تمھاری آنکھوں میں محبت کیوں نظر آتی ہے اما!
''انسان وہ ہی کچھ دیکھتا ہے جو وہ دیکھنا چاہتا ہے، یہ سب تمھاری نظر کا دھوکا ہے ارحم!۔''
اور وہ محبت جو مجھے تم سے ہے، اس کا کیا؟''
''یہ تمھاری محبت نہیں محض ضد ہے ارحم۔ میں تمھاری ضد ہوں اور ضد ایک نہ ایک دن ٹوٹ جاتی ہے۔''
اس کا دل آنسو بن کر اندر ہی اندر گر رہا تھا مگر وہ خود پر سنگدلی کا خول چڑھائے بے رحمی سے کہتی کمرہ چھوڑ گئی تھی۔

اسکے فیصلے ہمیشہ بودے اور کمزور رہے ہیں۔ مگر اس شخص کو جس کے لیجے میں جسکے دل میں اس کے لیے بے انتہا خلوص اور احترام ہے وہ اسے قطعاً دھوکہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ دنیا کی بڑی سے بڑی عدالت اسے وہ سزا نہیں دے سکتی تھی جو اسکا ضمیر اسے سنا گیا تھا۔ فرد جرم عائد ہو چکی تھی اب تو ساری عمر کا رونا تھا۔

دن جیسے کانٹوں پر کٹتے اور راتیں انگاروں پر۔ اسے دوبارہ سے ڈراؤنے خواب آنے لگے تھے۔ ذیشان مسعود اور بھیانک چہرے والا جلاد اس کا پیچھا کرتے اور وہ بھاگ بھاگ کر تھک جاتی۔ آنکھ کھلتی تو سانس دھونکنی کی طرح چل رہی ہوتی۔

اس شب بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ اتنا بھیانک خواب تو اس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ آج خواب میں وہ اکیلی فرار کے راستے نہیں تلاش کر رہی تھی۔ بلکہ اسکے ساتھ ارحم شیرازی بھی تھا اور ان دونوں کے تعاقب میں ذیشان مسعود اور جلاد، خوفناک چہرے اور خوفناک منظر وہ بے اختیار چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔

''اما، اما آر یو آل رائیٹ۔''

ارحم کی آنکھ کھل گئی تھی۔ آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس نے ارحم کے چہرے پر عظیم دکھ کا سایہ دیکھا تھا۔

ضمیر کا بوجھ ہی کچھ کم نہ تھا کہ ارحم کو دکھ کے ہولناک تجربے سے گزارنے کا رنج امامہ کی جان لے رہا تھا۔ وہ دن بہ دن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

ارحم سب دیکھ رہا تھا۔ اس دن کے بعد اس نے امامہ سے بات کرنا بالکل چھوڑ دی تھی۔ ہمہ وقت نجانے کس ادھیڑ بن میں رہتا۔ اس کا کھانا پینا بھی چھوٹ گیا تھا۔ وہ یہ سب محسوس کر کے دہری موت مر رہی تھی۔ مگر اف کرنے کی بھی مجال نہ تھی۔

رات کی خاموشی میں کوئی تارہ چمکا ہے
دل کی ویراں بستی سے وہاں ابھی وہ گزرا ہے
اجنبی سا سایہ ہے اور نقوش مدھم ہیں
شک ہے اور یقین بھی ہے دونوں رستے باہم ہیں
اجنبی ذرا رک جا ایک بات سنتا جا
تو اگر وہی ہے تو یہ جنوں ختم ہو لے
اور اگر وہ نہ بھی ہو پھر بھی بوجھ کم ہو لے
رات کچھ پگھل جائے، یہ اداسی ڈھل جائے!
اس پہاڑ بنجر سے ایک روح نکل جائے
کہ ہزار صدیوں سے اک گناہ روشن ہے
روح سراپا بوجھل ہے اور ضمیر درپن ہے
جسم کی اک اک تہہ میں ایک الاؤ جلتا ہے
جو نہ برف ہوتا ہے اور نہ راکھ کرتا ہے
ایک اپاہج جیون ہے اور نفس کی بے ساکھی
بات لمحے بھر کی تھی اور سزا ہمیشہ کی

آدھی رات کو ارحم کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھامتے ہوئے وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ کتنا ہی پانی چھلک گیا تھا۔ جاگتے میں ضمیر کی چبھن اور سوتے ہوئے خوابوں کے بھیانک مناظر اسکا سانس گھونٹ رہے تھے۔

احساس جرم کسی آکاس بیل کی طرح اسکے وجود سے لپٹ چکا تھا۔ سو اب دھیرے

دھیرے خون چوس رہا تھا۔ جو اس نے اپنے ساتھ کیا اس کے لیے خود کو معاف نہیں کر سکتی تھی اس پر مستزاد ارحم کی محبت کی ناقدری کا گناہ اسے اور بھی ملامت کرتا۔

''ریلکیس ہو جاؤ اما۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔''

اس کا سرد ہاتھ اپنے پر حدت ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہ محبت سے یقین دلا رہا تھا۔ سسکیاں بے اختیار اسکے لبوں سے آزاد ہو کر بکھرنے لگیں۔

''کیوں کر رہی ہو ایسا کیا مل رہا ہے تمہیں اس سے ہر وقت کی فرسٹریشن، راتوں کی جگار ،ٹرنکولائزر کی مرہون منت چند گھنٹوں کی نینداور بھیانک خواب، تم حقیقت کی طرف کیوں نہیں آسکتیں امامہ بلیومی میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہیں چاہا ہے۔'' وہ اسکے کندھے جھنجوڑ کر اس سے پوچھ رہا تھا اور اسکی سسکیاں بلند سے بلند تر ہو رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ارحم شیرازی اسے چھوڑنے پر تیار نہیں تھا اور وہ اس کے ساتھ زندگی گزارنے پر۔ وہ چلی جاتی تو ارحم کبھی نہ کبھی دوبارہ اپنی زندگی کسی نئے ہم سفر کے ساتھ شروع کر ہی لیتا۔ مگر وہ کسی بھی طرح امامہ سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا۔ سو وقت رینگ رینگ کر سہی گزر رہا تھا۔

اس روز شہابہ کے گھر ڈنر پر وہ دونوں انوائیٹ تھے۔ شہابہ ماشاءاللہ اپنے گھر خوش تھی اس کا شفاف اور بے داغ ماضی اس کی روشن پیشانی کی طرح چمکتا تھا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں امامہ گزرتے دنوں کی سیاہی کی لپیٹ میں تھی۔

پاپا اور بی بی کے علم میں لائے بغیر وہ ان کے ساتھ جو زیادتی کر بیٹھی تھی۔ اس کا اسے ادراک تھا۔ اولاد تو صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔ اس کے گناہوں کا بوجھ اسکے والدین پر بھی کسی حد تک تھا۔ یہ الگ بات کہ وہ قبول نہ کرتے مگر اللہ تو دیکھ رہا تھا۔

تاہم شادی کے بعد وہ اس سے بہت اچھی طرح ملنے لگے تھے۔ بی بی اکثر فون کرتی رہتیں۔ شہابہ کے چہرے سے پھوٹتی خوشی اس کے دلی اطمینان کی گواہ تھی۔ جبکہ جس طرح وہ شادی کے لیے راضی ہوئی اور اس کے بعد بھی جس طرح اسکی صحت گری، بی بی فکرمند ہوگئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ آج بھی وہ اسے دیکھ کر احساس جرم کا شکار ہوں کیونکہ اس کی اذیت وہ خود سہہ رہی تھی سو اُس نے نہ چاہتے ہوئے بھی بڑے دھیان سے تیاری کی۔ میرون سلک کی ساڑھی جس کے ساتھ جرسی ویلوٹ کا میچنگ بلاؤز تھا۔ اس نے زیب تن کیا۔ بالوں کو خوب صورت سا اسٹائل دے کر پشت پر کھلا چھوڑتے ہوئے اس نے ڈارک میک اپ کی تہوں کے نیچے اپنے چہرے پر بیماری اور پژمردگی کی زردی چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی جس کا آئینہ بھی گواہ تھا۔

''گناہ گار اور سیاہ کاروں کے اعمال اگر ان کے چہرے سے عیاں ہو جائیں تو شاید ساری خلقت سلاخوں کے پیچھے ہو۔''

اپنے جگمگاتے چہرے کو دیکھ کر اس نے کاسمیٹک کمپنیز کو کتنی ہی دعائیں دے ڈالیں۔ ابھی سینڈل پہننے کا قصد ہی کر رہی تھی کہ ارحم چلا آیا۔

ولیمے کے دن کے بعد وہ آج ڈھنگ سے تیار ہوئی تھی اس کی پرستائش نظریں بے اختیار امامہ کے چہرے کا طواف کرنے لگیں تو اس لمحے اسکا دل چاہا وہ ایسے ہی اسے دیکھتا رہے اور وہ اس کے سامنے یوں ہی کھڑی رہی۔ مگر ضمیر کی چٹکیوں نے اسے لمحوں میں فرش پر لا پٹخا۔

''تم بہت خوبصورت ہو اما بہت خوبصورت۔''

اس کے لہجے میں محبت تھی امامہ کا دل جیسے کسی کی بند مٹھی میں دھڑکنے لگا۔ اسکا ظاہری حسن اسے بے خود کرنے کو کافی تھا مگر اندرونی بدصورتی امامہ منظر کو کاٹ رہی تھی۔

''ظاہر پر مت جاؤ ارحم شیرازی انسان کا باطن ہی سب کچھ ہے۔'' ایک گہری سانس بھر کر وہ اس کے پاس سے پلٹ آئی۔

''باطنی خوب صورتی ہی چہرے سے جھلکتی ہے۔ تم میں ایک **Charisma** ہے امامہ تم کبھی خود کو میری نظر سے تو دیکھو۔''

''تمہاری نظر سراب کو آبِ جُو اور صحرا کو نخلستان نہیں بنا سکتی ارحم شیرازی!، جو ہے وہی حقیقت ہے۔'' اس نے بے رخی سے کہہ کر منہ موڑ لیا تو وہ اسکے عقب میں چلا آیا۔

''ناراض ہو۔'' محبت سے لبریز لہجہ اسے کمزور کرنے لگتا تھا۔

''میں راضی کب تھی۔'' طلائی کنگن ہاتھوں میں پہنتے ہوئے اس نے روکھے پن سے کہا تو وہ یکدم شاکی نظروں سے دیکھنے لگا۔ یہ محبت بھی کتنا کمزور بنا دیتی ہے انسان کو جیسے ارحم ٹوٹ رہا تھا۔

''آخر یہ سزا کب تک دو گی مجھے۔''

''یہ سزا میں تمہیں نہیں خود کو دے رہی ہوں۔'' اسکے انداز میں ترشی ہنوز تھی۔

''مگر کیوں؟'' جھنجلا کر اس نے یکدم امامہ کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔

''پلیز ارحم مجھ سے بحث مت کرو۔ وقت ہی ضائع ہو گا تمہارا ادھر شہابہ ہمارا انتظار کر رہی ہو گی۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں تمہارے کپڑے نکال دیتی ہوں۔'' سہولت سے اس کے ہاتھ ہٹا کر وہ وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی تو چند ثانیے وہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر تاسف اور مایوسی سے سر جھٹکتا واش روم کے دروازے کی اس طرف غائب ہو گیا۔

امامہ نے تیزی سے پلکوں کو جھپک کر نمی اندر اتاری اور اس کی وارڈ روب کھول کر کھڑی ہو گئی، ارحم کے پاس ایک سے ایک سوٹ تھا مگر نظر انتخاب آئس بلو جینز اور وائیٹ ٹی شرٹ پر

جارکی اس ڈریس میں وہ اسے پہلی مرتبہ ملا تھا۔ اور وہ وقت تو جیسے اس کی آنکھوں کی پتلیوں پر نقش تھا۔ کتنی ہی دیر وہ بیتے دنوں کی یاد میں محو رہی تھی کہ وہ تولیے سے سر رگڑتا باہر نکل آیا۔

امامہ نے کچھ چونک کر دونوں چیزیں اس کی طرف بڑھا دیں۔

اسے احساس تھا کہ ارحم کو موقع کی مناسبت سے یہ ڈریسنگ کچھ پسند نہیں آئی مگر اس نے خاموشی سے ہینگر پکڑ لیا تھا۔ اس کی زندگی میں امامہ کے لیے بہت گنجائش تھی وہ کسی احساس میں گھری پلٹی تو اچانک نظر الماری کے اندر ہک میں لٹکی بیلٹوں پر جا پڑی۔ سیاہ رنگ کی اصل لیدر والی بیلٹ کو بے خیالی میں اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اصلی چمڑے کی سختی اس کی کومل ہتھیلی کو محسوس ہو رہی تھی۔ نجانے اس لمحے اسے کیا ہوا اس نے دائیں ہاتھ میں بیلٹ لے کر پوری قوت سے بائیں بازو پر دے ماری۔

''یا اللہ'' بے اختیار چیخ کر اسکے منہ سے نکلی تھی۔ شدید تکلیف سے بے حال ہوتے ہوئے وہ اپنا بایاں بازو پکڑ کر بیٹھتی چلی گئی ارحم تڑپ کر اس کی طرف لپکا تھا، زبردستی اس نے امامہ کا بازو کھینچ کر سامنے کیا۔

''واٹ نان سینس۔ یہ کیا کیا تم نے امامہ تم ہوش میں تو ہو'' انتہائی غصے میں آ کر اس نے امامہ کو جھنجوڑ دیا تھا۔ جو لب کچلتے ہوئے رونے لگی تھی۔ اسکا بازو جیسے جل رہا تھا لہو کی جگہ رگوں میں آتشیں سیال بہتا محسوس ہو رہا تھا۔ ضرب کی جگہ بالکل سرخ ہو گئی تھی۔

''تمہیں اگر مجھ سے گلہ ہے تو پلیز مجھے سزا دو۔ خود کو کیوں اس طرح اذیت دیتی ہو۔'' اسکے بلک بلک کر رونے سے ارحم شدید بے بسی کے حصار میں گھر گیا تھا۔ امامہ نے بے اختیار سر اٹھایا۔

''صرف ایک بیلٹ کی ضرب سے میرا یہ حال ہوا ہے ارحم میں سو کوڑوں کی سزا کیسے

برداشت کروں گی۔ کیسے" اسے احساس نہیں تھا کہ خود فراموشی میں وہ نجانے کیا کہہ گئی ہے۔

"کیا کہہ رہی ہو امامہ۔" وہ حیرت زدہ سارہ گیا۔

امامہ کو جیسے سکتہ توڑ کر ہوش آیا تھا۔ یکدم اس نے خود کو سنبھالا اور تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے میں شدید گھٹن کا احساس ہو رہا تھا وہ تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکل چکی تھی۔ لان میں کھڑے ہو کر کتنی ہی دیر میں لمبی لمبی سانسیں لیتی رہی چند لمحوں بعد ارہم اسکن آئنٹ منٹ لیے چلا آیا تو وہ خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کرنے لگی جس میں اسے صد فیصد ناکامی ہوئی تھی۔

ارہم نے بغور اسکا چہرہ دیکھا نجانے کیوں امامہ کو اس کی آنکھوں میں فیصلہ کر لینے کا تاثر نظر آیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سہم گئی تاہم بظاہر وہ بالکل نارمل ہو چکی تھی۔

شہابہ کے یہاں بھی وہ بہت ڈسٹرب رہی خصوصاً ارحم کی پھیکی مسکراہٹ اور گہری سوچ کا عکس چھلکاتی آنکھیں اسے آزردہ کیے دے رہی تھیں۔

"آخر یہ شخص مجھ سے دامن چھڑا کیوں نہیں لیتا۔ محبت اتنی بڑی کمزوری تو نہیں۔" واپسی پر اسے لب بھینچے ڈرائیو کرتا دیکھ کر بالآخر امامہ کو اس پر غصہ آ گیا۔ خود سے نظریں چراتے ہوئے اس نے بڑی ڈھٹائی سے سوچا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ گھر پہنچنے تک اس کا موڈ بالکل آف ہو چکا تھا۔

"امامہ صبح تیار رہنا۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔" کلینزنگ کریم چہرے پر پھیلاتے ہوئے اس نے قدرے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

"کہاں جانا ہے۔"

"ٹرسٹ می۔ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں ہے۔" کمبل سینے تک پھیلا کر وہ بیڈ کراؤن سے پشت ٹکائے بیٹھا تھا، لہجے سے سنجیدگی عیاں تھی۔

"جتنا نقصان مجھے پہنچ سکتا تھا سو پہنچ گیا۔ مزید کسی خسارے کا مجھے خوف نہیں۔" وہ

اسٹول سے اٹھ کر بیڈ کی دوسری طرف آ بیٹھی تھی اسکے انداز میں غیر معمولی پن تھا۔
''میرے ساتھ زندگی گزارنے کا تجربہ اتنا تلخ نہ ہوتا اگر تم اپنے اندر کچھ لچک پیدا کر لیتیں امامہ۔کبھی دل سے فیصلہ کر کے تو دیکھتیں۔'' وہ مطالبہ کر رہا تھا۔
''دل اور دماغ کو یکجا کر کے ہی فیصلہ کیا تھا ارحم شیرازی مگر تم نہیں سمجھو گے۔تم بھی عام مردوں کی طرح خود پرست ہی نکلے۔کوئی چیز پسند آئی تو حاصل ہونی ہی چاہیے۔کیکٹس کو گلاب سمجھ کر لپکے تھے کانٹوں سے الجھنا ہی تھا۔ویسے آج کل کیکٹس کو گھروں میں سجانے کا عجیب فیشن نکل آیا ہے۔خواہ مخواہ ہی گھر بھی ریتلے میدان لگنے لگتے ہیں۔جیسے تمہارا یہ شیرازی ہاؤس۔'' عجیب سنگدلی سے کہتے کہتے وہ استہزائیہ سا ہنس دی تھی۔ارحم نے یوں دیکھا جیسے اسکے جنونی ہونے کا اسے یقین آ گیا ہو۔
''کیا ہوا۔کیا سوچ رہے ہو۔یہی کہ میں پاگل ہو گئی ہوں۔'' یکدم اسکے اندر جلال بیدار ہو گیا تھا۔ارحم کی بھنویں سکڑ گئیں۔''ہاں ہو گئی ہوں میں پاگل کرا دو مجھے کسی پاگل خانے میں داخل۔مجھے اس گھر سے اپنے حصار سے باہر نکلنے دو آزاد کر دو مجھے۔'' اگلے لمحے وہ بالکل ہسٹرک ہو گئی تھی۔
ارحم گھبرا کر اسے سنبھالنے لگا تھا مگر امامہ نے اس کے سارے کپڑے نوچ ڈالے۔
''چھوڑ دو مجھے آخر کیوں قید رکھنا چاہتے ہو مجھے اپنی محبت کی جنت میں۔میں اس قابل نہیں۔مت کرو مجھ سے اتنی محبت کہ پھر تمہارے بغیر جینے کا تصور ہی سوہان روح ہو جائے نہیں ہوں میں تمہارے قابل چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو......''
اسکی چیخیں بلند ہونے لگیں، ساتھ ہی وہ پوری قوت سے ارحم کو نوچ کھسوٹ رہی تھی۔پتا نہیں ایسا وہ کیوں کر رہی تھی۔جیسے کوئی آگ سی پھیل گئی تھی اسکے وجود میں۔اپنے گناہوں

کے بوجھ تلے دب کر وہ اچھے خاصے جی رہی تھی کہ ارحم شیرازی نے اسے ضمیر کی دہکائی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ اس آگ میں تیل ڈالنے والی ثوبیہ تھی جس نے اسے اسکے گناہ کی شدت سے آگاہ کیا۔

اب شدت کرب سے چیخنا اسکا حق بنتا تھا۔ کھولتے الاؤ میں جل کر وہ کب تک چپ رہتی اب درد برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔

''چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو۔'' وہ بلبلا رہی تھی۔

''او کے او کے آئی سوئیر۔ جیسا تم کہو گی ویسا ہی کروں گا۔ بس ریلیکس ہو جاؤ پلیز۔ ایزی ہو جاؤ۔'' وہ اسکے مچلتے وجود کو بالآخر قابو کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اس کا پورا وجود شل ہو چکا تھا۔ وہ تھک کر اس کے کندھے سے ہی سر ٹکاتے ہوئے رو پڑی۔

''دکھوں کا بوجھ اٹھا کر جینا آسان ہے ارحم شیرازی مگر گناہوں کا پچھتاوہ لے کر نہیں۔'' لفظ ٹوٹ کر اسکے لبوں سے گر رہے تھے۔

''اب میں اور زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔'' ارحم کو لب بھینچے محبت سے اپنی جانب دیکھتا پا کر آج وہ بالکل ہار گئی۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو گناہ کر کے نہ تائب ہوتے ہیں نہ شرم سار بلکہ تا عمر اسی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ کچھ عرصے پہلے تک وہ بھی ایسی ہی تھی۔ اس کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے تھے کہ اچانک اسے حقیقت کی جھلساتی ہوئی دھوپ کے نیچے لا کھڑا کیا گیا۔

''بہت گھٹ رہی ہو تم اندر ہی اندر کہہ دو کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں سن رہا ہوں۔'' دل داری

سے کہتے ہوئے اس نے سائیڈ ٹیبل سے گلاس اٹھا کر امامہ کے ہونٹوں سے لگا دیا تھا۔

وہ جیسے تذبذب میں پڑ گئی۔ نفسیاتی دباؤ سے چھٹکارا پانے کا ایک یہ ہی طریقہ تھا اسکے پاس سو اس نے نتائج و عواقب کی پروا کیے بنا اپنی کتاب زندگی کا ایک ایک باب کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

شرم و ندامت کے پسینے سے بھیگتی پیشانی اُس نے جھکا رکھی تھی اور سسکیوں کے درمیان وہ اقبال جرم کر رہی تھی۔ ارحم کے چہرے کی طرف تو نظر ڈالنے کی ہمت بھی نہ ہوئی تھی کہ داستان ختم ہو گئی۔ اس نے اس ذرہ برابر بات بھی چھپائی نہ تھی۔ سب کہہ دیا تھا وہ بھی سچ سچ۔

''یہ ہے میری زندگی کا سچ ارحم شیرازی اور اسی لیے میں تمہاری زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہتی تھی تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔''

کمرے میں صرف پنکھے کے چلنے کی آواز گونجتی رہی تو بالآخر اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ ارحم بالکل خاموش دریچے میں کھڑا نجانے باہر کیا دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہارے قابل نہیں تھی اور نہ ہی ہوں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم مجھ سے جان چھڑا لو...... فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے ارحم۔ میرا تم پر کوئی پریشر نہیں۔ میں نے قصداً تمہیں کبھی دکھ پہنچانے کی کوشش نہیں کی پھر بھی تمہاری مجرم ہوں۔ تم سے بھی شرمندہ ہوں۔ اگر میں نے شادی سے پہلے ہی سب کچھ کہنے کی ہمت کر لی ہوتی تو شاید آج حالات مختلف ہوتے مگر یہ سب شاید ازل سے ایسے ہی لکھا تھا۔ سو ہو کر رہا......'' گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے اپنے دل کا سارا بوجھ اس کے کندھوں پر لاد دیا تھا۔ وہ جانتی تھی مرد کے ظرف اور ضبط کا یہ کڑا امتحان ہوتا ہے سو اس لیے سامنے سے چلے جانے میں ہی عافیت جانی۔

☆......☆......☆

"زانی مرد سوائے زانیہ یا مشرکہ کے نکاح نہیں کرتا اور زانیہ سوائے زانی مرد یا مشرک مرد کے نکاح نہیں کرتی اور ایمان والوں کے لیے تو زنا حرام ہے۔" سورۃ النور آیت نمبر 3

ابھی ابھی جو عورت کمرہ چھوڑ کر گئی ہے۔ وہ میری پہلی اور آخری محبت ہے۔ میں یعنی ارحم شیرازی جس کا دل ہارڈ اسٹون کہلاتا تھا۔ وہ جس بتِ کافر کے آگے ہار وہ یہی تھی، یہی امامہ منظر۔ میری زندگی کے لیے ایک ایسی لینڈ مارک پرسنیلٹی جس نے میری زیست کا عنوان بدل دیا۔ میری راہ حیات کا رخ بدل دیا۔ جسے حاصل کرنے کے لیے میں نے اپنی انا ضبط اور خودداری تک کو ٹھوکر ماردی۔ وہ بدکاری میں ملوث رہی ہے۔ اف کتنا بڑا طمانچہ ہے یہ میرے منہ پر، تقدیر کی کاری ضرب، ایک ایسا خاموش انتقام کہ میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔"

کھڑکی کے پاس ساکت کھڑا ارحم شیرازی جیسے حیرت اور تاسف کے سمندر میں غرق ہو رہا تھا۔ دریچے کے باہر کا گھور اندھیرا اسے اپنی ذات کا حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ جیسے دبی ہوئی راکھ کے اندر چنگاری کی مانند سلگ رہا تھا۔ بھسم ہو رہا تھا۔

"کیسا انصاف ہے یہ خدائے بزرگ و برتر کا، اپنے تئیں جس سے چھپ کر میں ایسی کتنی ہی لڑکیوں کے لیے ذیشان مسعود تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ خفیہ کیا گیا گناہ تیری نظر سے بچ جائے گا۔ میں بھول گیا تھا کہ تو سریع العقاب (جلد انتقام لینے والا ہے) بظاہر میں نے اپنے ہر گناہ کو چھپا لیا تھا۔ کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا۔ مگر آج بدکرداری کا جلتا نشان امامہ منظر میری شناخت کا حصہ بن گئی ہے۔"

پسینہ اس کی پیشانی سے پھوٹ نکلا وہ ایک جری اور طاقتور مرد ہو کر بھی اندر ہی اندر لرز رہا تھا۔ امامہ اسے اپنی کہانی سنا کر نہیں بلکہ اس کی اپنی صورت آئینے میں دکھا کر گئی ہے۔

"ہر اس لمحے جب میں خدا کی بنائی ہوئی حد سے تجاوز کر رہا تھا دوسری طرف کوئی میری

ذات کے نصف سے، امامہ منظر سے میرے ہر فعل بد کا خراج وصول رہا تھا۔ وہ شیطان جس نے مجھے نفس کشی کا ہر گر بھلا دیا تھا اس نے میری امامہ کو بھی نہ بخشا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھوں اخلاقیات کا جو قتل کیا، اس کی قبر میں میری غیرت اور عزت بھی دفنا دی گئی تھی۔۔"

"امامہ کہتی ہے وہ میرے لائق نہیں تو کیا میں کسی اور کے لائق ہوں؟ قدرت کا قانون بہت منصف اور بہت عادل ہے۔ میری پتھر آنکھوں سے بہتے آنسو گواہ ہیں کہ میں نے شکست تسلیم کی۔ امامہ نے گزرے کتنے ہی پل خود کو سزا دی اپنے گناہ کے رنج سے آزردہ رہی خشیت الٰہی سے لرزتی رہی اور میں؟ میں نے ایک لمحے کے لیے بھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ مجھ میں اور ذیشان مسعود میں کیا فرق ہے۔

وہ اپنا جھوٹا میرے لیے چھوڑ گیا اور میں اپنا جھوٹا نجانے کس ارحم شیرازی کے لیے چھوڑ آیا۔ امامہ نے خود سے انتقام لیا جبکہ مجھے...... مجھے خدائے بزرگ و برتر نے سزا سنائی تھی۔ جس کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔

وہ سمجھتی ہے کہ میں باکردار ہوں وہ میرے لائق نہیں اسے اندازہ نہیں کہ میری گردن پر تو نجانے کتنی معصوم ننھی روحوں کے قتل کا خون بہا واجب ہے۔ میں نے اپنی اولاد کو کہاں کہاں چھوڑا ہے مجھے خود یاد نہیں۔

امامہ تو فرسٹریٹڈ ماحول کی پرابلم چائلڈ تھی جبکہ میں لگژریز سے بھرپور ایک ایسے لائف اسٹائل کا عادی جس میں زنا جیسے قبیح فعل بھی ایڈونچر زمانے جاتے ہیں۔ جہاں روز اخلاق اور شرم کا قتل عام ہوتا ہے اور لوگ تماشا دیکھتے ہیں۔

ہم جو نام کے مسلمان ہیں ان کافروں سے بھی بدتر ہیں جو علی الاعلان اپنے کفر کو اپنے شرک کو تسلیم کرتے ہیں اور ہم، ہم اس قادر مطلق سے اس علیم و بصیر (علم رکھنے والا دیکھنے والا)

سے اپنے تئیں چھپ کر گناہ کرتے ہیں۔ جو سات پردوں تو کیا سات زمینوں کی تہہ میں بھی ہونے والے واقعات سے غافل نہیں جو دلوں کے بھید جانتا ہے جو ہماری شہہ رگ سے بھی قریب ہے۔ پھر ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں ایک طرف بدکاری کرتے ہیں اور دوسری جانب گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا بندھن کسی اور سے باندھ لیتے ہیں۔

قدرت اس لمحے ہمیں دیکھ رہی ہوتی ہے۔ تقدیر ہم پر ہنستی ہے اور جب ان گناہوں کی سزا میں ہم پر مصیبتیں اور آلام نازل ہونے لگتے ہیں تو ہم سرکشی میں کہتے ہیں کہ خدا ہماری آزمائش کر رہا ہے۔

آزمائش اور سزا کا فرق جانے بغیر دعویٰ صریحاً گمراہی ہے۔ آزمائش تو ان کی ہوتی ہے جن کے اعمال صالح ہوں جن کے صبر کا پیمانہ بہت گہرا ہو۔ ہم جیسے سیاہ کاروں پر تو اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔ ہلاکت اور ذلت والا عذاب نازل ہوتا ہے۔"

ارحم کے اندر ضمیر کی عدالت لگی ہوئی تھی۔

"ایسا ہی عذاب میرے لیے بھی اترا ہے۔ امامہ منظر جو میرے دل کے گوشے گوشے میں بستی ہے اس کے ماضی کو جاننے کے باوجود اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے سے بڑی سزا اور کیا ہوسکتی ہے میری غیرت اور حمیت کے لیے اس سے بڑھ کر تازیانہ کیا ہوگا کہ میں یہ علم رکھتے ہوئے بھی امامہ کی حقیقت سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ زندگی بسر کروں۔ اف خدایا اس سزا میں تخفیف کر۔"

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اعصاب یکدم چیخ رہے ہیں ایک اندھا کنواں ہے جس میں وہ گرتا چلا جا رہا ہوں۔ یہ کیفیت اتنی اذیت ناک اور کرب انگیز تھی کہ اس نے مضبوطی سے دریچے کا پٹ تھام لیا، پھر بھی یوں لگ رہا تھا جیسے زمین اس کے قدموں تلے سرکتی جا رہی

ہے اور جہاں یہ زمین ختم ہوگی وہاں ایک مہیب خلا منہ کھولے اس کا منتظر ہوگا۔

”امامہ......“ وہ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود لڑکھڑا کر بیڈ پر گر پڑا تھا، اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔

توبہ کے بغیر اب اس کا احساس جرم سے نکلنا آسان نہ تھا۔

”یارب مجھے معاف کر۔ تو غفور الرحیم ہے عفوودر گزر تیرا وصف۔ تو گناہوں کو توبہ سے دھو ڈالتا ہے۔ مجھے بھی معاف کر دے مجھے معاف کر دے۔“

راتوں کو جس طرح اس نے امامہ کو مصلے پر بلکتے دیکھا آج وہ بھی احساس معصیت اور خشیت الٰہی سے رو پڑا تھا۔ اپنے گناہوں کا ایک ایک پل اس کی آنکھوں کے سامنے زندہ آ کھڑا ہوا ہے جیسے کسی نے آنکھوں کے سامنے حائل پردہ کھینچ کر پھاڑ ڈالا ہو۔

”تلافی کی یہی صورت ہے کہ میں ساری عمر امامہ منظر نام کا تازیانہ برداشت کرتا رہوں جب اسے دیکھوں جب اسے چھوؤں جب اسے سنوں ذیشان مسعود کا چہرہ میرے تصور کے پردے پر لہرا لہرا کر میرا مذاق اڑائے۔ ہاں یہ میری روحانی سزا ہے۔

اور جسمانی سزا؟“ اس کے اندر امامہ بول رہی تھی۔ اس کا گناہ بول رہا تھا۔

کیا میں کبھی خود کو اس امر کے لیے راضی کر سکوں گا؟

سو کوڑوں کی سزا برداشت کر سکوں گا؟

سوال اس کے اندر بگولوں کی مانند گشت کر رہے تھے۔ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ لہو کی گردش تھم رہی تھی، اس کا جسم سرد ہوتا جا رہا تھا، رگیں کھچ رہی ہیں۔

”ہاں ہاں میں تیار ہوں۔ میں چمڑے کے سو کوڑے کھانے کو تیار ہوں مگر ضمیر کی ہر لمحے سزا نہیں سہہ سکتا نہیں سہہ سکتا۔“

باوجود ضبط کے میں بلند آواز میں چیخ اٹھا تھا، امامہ دوڑتی ہوئی کمرے کے دروازے پر آ رُکی
۔وحشت اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی ہے۔ارحم کی حالت نے اسے حیرت زدہ کر دیا تھا۔

''یہ مرجائے گی، اب نہ یہ میرے بغیر جی سکتی ہے نہ میں اس کے بغیر ہم دونوں ایک دوسرے کی سزا ہیں۔''ارحم نے کرب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے سوچا تھا۔

اسی اثناء میں وہ دوڑ کر ارحم کے پاس آ گئی تھی۔زاروقطار روتی ہوئی۔

''ارحم پلیز ایسا مت کریں، میری وجہ سے کیوں خود کو اذیت میں ڈالتے ہیں آپ؟''

ایسے ہی فقرے ارحم نے اس سے کہے تھے جب وہ لاعلم تھا اور اب امامہ لاعلم تھی۔

(مجھے حیرت ہے کہ مجھے اس سے نفرت یا کراہیت محسوس نہیں ہو رہی۔کیونکہ گناہ کی جس تعفن زدہ کیچڑ میں وہ گری تھی وہ سنبھل بھی گئی جبکہ میں اب تک اسی میں پڑا تھا، اس نے توبہ کر لی ہے جبکہ میں تو جیسے اپنے گناہوں کو بھلا بیٹھا تھا۔اس کے آنسوؤں نے اس کے گناہ کے داغ کسی حد تک مدھم کر دیے ہیں۔جبکہ میں آج سے پہلے ان داغوں کی موجودگی تک سے بے خبر تھا۔)

''امامہ۔'' ٹوٹ کر اسے پکارا۔

''جی۔'' بے تحاشا روتے ہوئے وہ اسے بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے معاف کردو۔''ارحم نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''تم مجھے معاف کردو۔''شرم و غیرت سے اس کی آنکھیں جھکی جا رہی تھیں۔''میں تمھاری غیرت کی گناہ گار ہوں۔میں نے اپنے آپ کو کبھی بھی اپنے ہونے والے شوہر کی امانت نہیں سمجھا میں خائن ہوں۔''وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اور میں تمہارے حق کا غاصب۔'' بڑی مشکل سے یہ الفاظ ارحم کے لبوں سے نکلے تو امامہ جیسے ساکت سی رہ گئی ہے۔اس کا سر بے یقینی سے نفی میں ہل رہا ہے۔

''یہ ہی ہماری روحانی سزا ہے امامہ اور جسمانی سزا کے لیے ہمیں خود کو منانا پڑے گا نہیں تو احساس جرم کا زہر ہماری رگ رگ کو کاٹ ڈالے گا۔''

احساس شرمندگی اور ندامت سے اس کے لب و لہجے کے سارے سر مرے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔ اسے خود اپنی آواز کسی کنوئیں سے آئی لگ رہی تھی۔

''ہم؟......مگر......کیا تم مجھے قبول کر لو گے؟''

ابھی بھی وہ حیران سی گم صم سی اسے دیکھ رہی ہے۔ شاید اسے ایک گناہ گار مرد تک سے یہ امید نہیں تھی۔

''ہاں اگر تم نے مجھے نہ دھتکارا تو۔'' ارحم استہزائیہ سا ہنس پڑا تھا۔ اور ان لفظوں کے ساتھ جیسے ایک کانٹے دار جھاڑ اس کے پورے وجود میں اتار دیا گیا ہے۔ احساس کا ریشہ ریشہ کھرچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''ارحم۔'' وہ بے اختیار ارحم کی پناہ میں آ گئی۔

''یا اللہ ہم حاضر ہیں ہمیں اپنے قانون شریعت اور اپنے قانون کے مطابق سزا برداشت کرنے کی توفیق دے اور نیک اولاد دے......میرے آنسوؤں میں میری ساری دعائیں ڈوب گئی ہیں اے میرے مالک۔ میں سیاہ کار ہوں مگر پشیمان ہوں۔ تجھ سے توبہ طلب کر رہا ہوں، تو کرم کر مجھ پر۔

میں خود ایک ایسی اولاد ہوں جس کے گناہوں کا بوجھ اس کے مرحوم والدین بھی برداشت کر رہے ہیں، مگر نیک اور صالح اولاد کا تمنائی ہوں اور یہ سب اس لیے ہے کہ میں تیری ذات سے مایوس نہیں، میں خالق اور مخلوق کی دائمی اور ابدی رشتے کی اصل اساس جان گیا ہوں۔ عبودیت اور معبودیت کی تعریف سمجھ میں آ گئی ہے میرے۔

محض ایک جھٹکے نے مجھے عرش سے فرش پر لا پٹخا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی حدود سے تجاوز کرنے والے کا یہی انجام ہو سکتا ہے۔ دل سے میں نے امامہ کو چاہا اسے پایا اور اب اسے اپنا لیا ہے مگر میرا دماغ میری انا اور میری خودداری ساری عمر مجھے کچوکے لگاتی رہے گی اور یہ کچوکے مجھے میرے گناہ کی یاد دلا کر توبہ کرنے کی توفیق عطا کرتے رہیں گے۔

دوسری طرف امامہ ہے وہ ساری زندگی میرے آگے نظر نہیں اٹھا سکے گی ہر لمحہ اسے میری بے اعتباری کا خوف جکڑے رہے گا۔ اس کا ضمیر اسے معاف نہیں کرے گا اور یوں ساری زندگی بظاہر ہم خوش رہیں گے مگر اندر ہی اندر جلتے رہیں گے۔

شاید حد کے نفاذ کے بعد ہماری بے چین روحوں کو قرار آ جائے۔ سو کوڑوں کی سزا ہمیں ضمیر کی عدالت سے رہا کر دے۔ ہم چاہیں بھی تو خود پر ترس نہیں کھا سکتے کہ ہمارے گناہوں سے زیادہ پشیمانی نے ہمیں اس قابل نہیں چھوڑا۔

آئندہ زندگی میں اپنی اولاد کو پاکبازی کا سبق پڑھاتے ہوئے ہر بار ہماری نظریں جھکیں گی، ہم اپنی اولاد سے چھپتے پھریں گے یہ ہماری سزا ہے۔ یہ ہی ہمارا حق ہے۔

ایک اپاہج جیون ہے اور نفس کی بے ساکھی
بات لمحہ بھر کی تھی اور سزا ہمیشہ کی

روتی ہوئی امامہ کے خود سے لگائے ارحم شیرازی کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

ہر بار کی طرح اس بار بھی ثوبیہ کا نام اندھیرے میں کسی چراغ کی مانند روشن ہوا تو اس نے ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر اسے فون کر لیا۔

''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں ثوبیہ! کیا تم مجھ سے ملنا پسند کرو گی؟'' اس نے یوں سوال کیا

جیسے ثوبیہ کے جواب پر اس کی سانسیں تھمی ہوئی ہوں۔ ایک لمبے وقفے کے بعد اس نے ثوبیہ سے رابطہ کیا تھا۔

''کیوں نہیں۔ مجھے بہت خوشی ہو گی اما! کتنے دنوں ہو گئے تم سے ملے۔''

ثوبیہ کا لہجہ گواہ تھا کہ امامہ کا فون کرنا اسے بہت اچھا لگا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ رہنمائی چاہیے، کوئی ایسی جگہ جہاں ہم پرائیویسی کے ساتھ بات کر سکیں۔'' اس نے رک رک کے انداز میں کہا تو ثوبیہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی۔

''او کے میرے گھر آ جاؤ۔ کل میری انسٹیٹیوٹ میں صرف ایک کلاس ہے۔''

ثوبیہ نے ملاقات کا وقت اور دن طے کر دیا تو اسے لگا جیسے اس کا ذہن ہلکا ہو گیا ہو۔

''اسلام علیکم امامہ! کیا حال ہے؟''

ثوبیہ خلاف توقع بہت پیار اور عزت سے ملی۔

''وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہوں میں۔'' اس کی نظر جھکی ہوئی تھی، لہجہ بھی پست تھا۔

''تھینک یو اما! کہ تم نے مجھ سے کانٹیکٹ کیا۔ میں نے گزرے چند ماہ میں تمھارے سیل پر کئی بار تم کو کالز کیں مگر تمھارا سیل ہمیشہ بند ملتا، پچھلے ہفتے ہمارے batch کی ری یونین پارٹی تھی کالج گئی میں، مگر تم اس دن بھی نہیں آئیں۔''

''مجھے کسی نے انوائیٹ نہیں کیا تھا ثوبیہ، اور جو کر بھی لیا جاتا تو میں کہاں کسی کو منہ دکھانے لائق تھی۔'' ثوبیہ کے محبت سے کہنے پر اس نے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔

''پلیز ایسا مت سوچو، تمھارا نیا نمبر کسی کے پاس نہیں ہو گا اس لیے کانٹیکٹ نہیں ہو سکا تم سے غالباً۔'' ثوبیہ کا لہجہ حلاوت لیے ہوئے تھا۔ اس نے بغور اسے دیکھا یہ وہ ثوبیہ نہیں لگ رہی تھی جس نے اس روز آخری ملاقات میں امامہ منظر کو ملامتی نظروں سے دیکھ کر آئندہ ملنے کی

سب راہیں مسدود کر دی تھیں۔

”اپنی وے تم بیٹھو، میں ذرا چائے کا کہہ آؤں۔“

”ثوبیہ پلیز، ان فارمیلیٹیز میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے اٹھ کر جاتی ثوبیہ کا ہاتھ تھام کر بے ساختہ اسے روکا تھا۔

”میں شرعی سزا حاصل کرنا چاہتی ہوں ثوبیہ!۔ پلیز ہیلپ می۔“ اور اس سے پہلے کہ ثوبیہ کچھ کہتی اس کے لبوں سے یکدم یہ جملہ نکلا تھا۔

آنسوؤں میں ڈوبے لہجے میں اس کا براہ راست یہ کہہ دینا ثوبیہ کو لمحے بھر کے لیے خاموش کر گیا۔ ”مگر تم تو تائب ہو چکی ہو اما!۔“

”ہاں ہو چکی ہوں مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے، کیا میرا گناہ توبہ سیمٹ جائے گا، یہ تو قابل تعزیر سزا ہے نا۔ حد ہے اس گناہ پر؟“ وہ بہت دکھ اور شرمندگی سے پوچھ رہی تھی۔

جواباً ثوبیہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر کمرے میں رکھی ایک الماری کی طرف بڑھ گئی اور جب پلٹی تو اس کے ہاتھ میں کچھ کتابیں اور قران پاک کا ایک نسخہ تھا۔

”تم نے صحیح کہا اما! زنا واقعی قابل تعزیر گناہ ہے، مگر ان کے لیے جو قانون کی گرفت میں آنے سے پہلے توبہ نہ کریں، مگر جس کے گناہ پر اللہ سبحان وتعالیٰ ستاری کی چادر ڈال دیں اور اسے توبہ کی توفیق دیں۔ اس کی توبہ ہی اس کے نامہ اعمال کو دھو ڈالتی ہے میری دوست!۔“

ثوبیہ کے لبوں سے نکلے الفاظ یوں تھے جیسے صحرا میں اچانک بادل برس جائیں۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو ثوبیہ!۔“ حیرت سے اس پر جیسے شادی مرگ ہو گیا تھا۔

”یہ سچ ہے اما!۔ جو کچھ تم سے ہو گیا تم اس پر شرمندہ ہو، مغفرت کی طلب گار ہو، اپنے گناہ بخشوانا چاہتی ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو اپنے بندوں پر مشفق ہے مہربان ہے، اس نے خود فرمایا کہ

اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ ارے نادان لڑکی اللہ تعالیٰ تو بہانے بہانے سے ہمیں نیکیاں عطا کرتے رہتے ہیں۔''

ثوبیہ نے اس کے حیرانی پر نرمی سے کہا تو وہ لب بستہ سی رہ گئی۔

''قرآن کو ترجمے اور تفسیر سے پڑھا کرو امامہ، ہمارے سارے سوالوں کے جواب ہیں اس میں۔'' ہاتھ میں پکڑے قرآن کو کھولتے ہوئے وہ بردباری سے گویا تھی۔

''سورہ فرقان کی آیت نمبر 70 اور 71 میں اللہ تعالیٰ شرک کرنے والوں، ناحق قتل کرنے والوں اور زنا کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہوئے کہتے ہیں:۔

''مگر وہ جو توبہ کر لیں، ایمان لے آئیں اور نیک اعمال کریں تو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔ اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل اختیار کرتا ہے، وہ درحقیقت اللہ کی طرف لوٹتا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کرنے والے کے گناہ نہیں گنے جاتے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے توبہ کر کے کتنی اصلاح کی، جہاں بندے کو وہ آقا ملتا ہے جو گناہ گار پر خار کھائے نہیں بیٹھا ہوتا بلکہ اپنے ہر شرمسار غلام کے لیے دامن رحمت کھولے ہوئے ہے۔''

ثوبیہ نے اس کے ذہن پر لگے لاعلمی کے جالے اتارتے ہوئے کہا۔ تو وہ اپنے اندر اترتے تشکر کے جذبات پر بے اختیار رو پڑی۔

''بلکہ اس نے تو سورہ الزمر میں یہاں تک فرمایا۔

''کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔ اور اپنے رب کی طرف پلٹ آؤ اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ، اس سے

پہلے کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی۔‘‘

’’اما! تم الحمدللہ مسلمان ہو، ایک مسلمان کو ایسا نہیں سوچنا چاہیے کہ اس کے گناہ چاہے وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں زیادہ کیوں نہ ہوں کہ وہ اللہ کی رحمت اس کی بخشش اور اس کی مغفرت سے بڑھ کر ہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے، یاد رکھو کہ اللہ کو سچی توبہ پسند ہے، وہ سچے تائب انسان کی گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔‘‘

قرآن پاک کی ایک اور سورہ کو کھول کر ترجمہ پڑھتے ہوئے ثوبیہ نے گود میں رکھے اس کے ہاتھ کی پشت پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو اس کے بہتے آنسوؤں میں تیزی آگئی۔

’’اللہ نے تمہیں توفیق دی کہ تم اپنے گناہ سے تائب ہو جاؤ، وہ چاہتا تو تمھارے اس فعل کو پوری دنیا کے سامنے ظاہر کر سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا، یقیناً وہ تمھیں خود کو سدھارنے کا موقع دینا چاہتا ہے۔

توبہ کی شرط یہ نہیں ہے کہ توبہ کرنے والے انسان پر حد جاری کی جائے، جب اللہ سبحان وتعالیٰ نے اس کے گناہ کو لوگوں کی آنکھوں سے چھپا رکھا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی اس حکمت کو خود بھی سمجھے۔ سچی توبہ اقبال جرم سے بہتر ہے۔‘‘

ثوبیہ کے لہجے سے زیادہ سحر اس پاک کلام میں تھا جس نے اسے مسحور و ششدر کر رکھا تھا۔

’’جانتی ہو اما! سورہ تحریم آیت نمبر ۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو یقیناً تمھارا رب تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے گا اور ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔‘‘

’’ہاں اگر ہمارے کسی گناہ کا تعلق کسی انسان سے ہے، کسی کی حق تلفی ہو گئی ہے ہم سے تو ایسی صورت میں اس شخص کا نقصان ہمیں پورا کرنا ہوگا، تاہم جو معاملہ بندے اور اس کے رب

کے بیچ میں ہے، اسے اوروں کے سامنے نہیں لانا چاہیے۔"
"کیا یہ اب بھی ممکن ہے ثوبیہ! مجھے دیر تو نہیں ہو گئی؟" وہ خوفزدہ بھی تھی اور غیر مطمئن بھی۔
"توبہ کا دروازہ تمام بندوں کے لیے اس وقت تک کھلا ہے امامہ جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہو جاتا۔ سچی توبہ محض زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ سچی توبہ کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان گناہ سے فوراً باز آ جائے، اسے اپنے کیے پر ندامت ہو، وہ توبہ کرے اور توبہ کردہ گناہ دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"
"کیا واقعی میرے سب گناہ اس طرح معاف ہو سکتے ہیں ثوبیہ؟ اف میں کس قدر خوش نصیب ہوں ثوبیہ، میرا رب کتنا پیارا ہے کتنا رحیم ہے۔" یکدم وہ ثوبیہ کے گلے سے لگ کر پھوٹ کر رو دی۔
"تو گویا اس نے میری توبہ قبول کر لی ہو گی نا۔"
"ان شاء اللہ ضرور، کیونکہ وہ توبہ کرنیوالوں اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے اما! بلکہ اسے اپنے بندے کی توبہ پر خوشی بھی ہوتی ہے، جیسے کہ آپ ﷺ کے ایک فرمان کا مفہوم ہے:۔
اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جس کا اونٹ ویران اور بیابان علاقے میں گم ہونے کے بعد دوبارہ مل جائے۔ (متفق علیہ)
تمھارے یہ آنسو اس بات کے گواہ ہیں کہ تم شرمندہ ہو، پلٹ آئی ہو، صبح کا بھولا شام گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے اما۔ میں اپنے رب کے پاک کلام سے یہی سیکھا امامہ کے وہ ہم سے بہت محبت کرتا ہے ہمارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔"
ثوبیہ نے اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے تو وہ ایک بار پھر رو

پڑی۔ مگر اس بار آنسو خوشی میں تشکر میں بہے تھے۔
اور پھر یکدم وہ زمین پر سجدہ ریز ہو گئی تھی۔
''یا اللہ تو واقعی رحیم ہے رحمٰن ہے۔ تیرا صد شکر کہ تو نے مجھے توبہ کی توفیق دے کر دنیا و آخرت کے عذاب سے بچا لیا۔ اب کبھی بھی مجھے بھٹکنے نہ دینا یا میرے مالک، میں کمزور ہوں مجھے ایمان کی طاقت عطا فرما۔''
کتنی ہی دیر وہ سجدے میں گری روتی اور گڑگڑاتی رہی۔ ثوبیہ نے کوئی مداخلت نہیں کی اور جب وہ دل بھر کر آنسو بہا چکی تو سجدے سے سر اٹھایا۔
''لو پانی پی لو اما!'' ثوبیہ نم آنکھوں سمیت مسکرا کر بولی تو اس نے گلاس تھام لیا۔
''شکریہ۔'' پانی کا گلاس گھونٹ گھونٹ پی کر خالی کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
''کہاں چلیں؟''
''گھر۔''
''ایسے نہیں اما! کھانا کھا کر جانا۔'' ثوبیہ محبت سے اصرار کرتے ہوئے بولی تو اس نے ثوبیہ کا ہاتھ اپنی ہاتھ میں لیتے ہوئے بڑی عقیدت سے اسے دیکھا۔
''میں پھر کسی دن ضرور کھانا کھانے آؤں گی ثوبیہ مگر اس وقت میں جلدی میں ہوں، کوئی اور بھی ہے جو اس خوشخبری کا منتظر ہے جس نے میرے دل کی دنیا بدل ڈالی ہے۔ جس نے مجھے زندگی کی طرف لوٹا دیا ہے۔ اللہ تمہیں جزائے خیر عطا کرے، ان شاءاللہ جلد ملیں گے۔''
ثوبیہ کو سہولت اور پیار سے انکار کرتی جوں ہی وہ کمرے سے باہر نکلی دروازے کے باہر اس کا منتظر کھڑا ارحم شیرازی اسے بنا آواز آنسو بہاتا مل گیا تھا۔
''پلیز ایسا مت کرو ارحم۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر ارحم کے آنسو اپنی پوروں پر

اتارنا چاہے۔

''یہ ندامت کے آنسو ہیں انہیں بہہ جانے دو امامہ!۔''

ارحم کی آواز بھاری تھی تاہم اس میں خوشی کا رنگ بہت نمایاں تھا۔ امامہ کا ہاتھ تھام کر اس نے کہا اور پھر باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں ارحم؟''

''ٹریولنگ ایجنٹ کے پاس، عمرے کے ٹکٹس لینے ہیں۔ چلو گی نا میرے ساتھ۔''

کار اسٹارٹ کرتے ہوئے ارحم خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا، محبت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہوں۔'' امامہ نے اثبات میں سر ہلایا تو اس کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

''آج سے پہلے میں سوچتی تھی ارحم کے اپنے اللہ کے سامنے کس منہ سے جاؤں گی، اس کے سامنے کس طرح کھڑی ہو سکوں گی، مگر آج ثوبیہ نے مجھے بتایا کہ ایک میرا اللہ ہی تو ہے جس کے آگے میں گڑگڑاؤں گی تو وہ میری سن لے گا، وہ مجھے گرنے نہیں دے گا، وہ مجھے معاف کر دے گا، تو اب اس کے دربار میں جانا آسان ہو گیا ہے میرے لیے، اس کا احسان ہے کہ وہ ہمیں اپنے گھر بلا رہا ہے، صد شکر ہے یا میرے مالک!۔''

سرشاری اور سکون سے کہتے ہوئے امامہ نے اس کے کندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک

ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک

ختم شد......